اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا.

”بلاشبہ جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کئے پیدا فرمادے گا خدا مہربان ان کے لئے (دلوں میں) محبت۔(سورہ مریم:۹۶)

اہلِ معرفت کی راہیں

یعنی

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی چرتھاولی حفظہ اللہ

خلیفہ ومجاز حضرت حاذق الامت پرنامبٹ (خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامت جلال آبادی) بانی ومہتمم دارالعلوم محمدیہ وخانقاہ رحیمی بنگلور

کی مجالس میں پڑھ کر سنائے گئے واقعات اور پند ونصائح کا مجموعہ

مرتب

مولانا حکیم محمد زبیر احمد مفتاحی پورنوی

استاذ دار العلوم محمدیہ بنگور

ناشر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اہل معرفت کی راہیں
از	:	حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ
مرتب	:	مولانا حکیم محمد زبیر احمد مفتاحی
کتابت وتزئین	:	مولانا فہیم احمد قاسمی، حبان گرافکس بنگلور
صفحات	:	232
تعداد	:	گیارہ (۱۱۰۰) سو
قیمت	:	............روپے
ناشر	:	

مرتب کا مکمل پتہ

RAHEEMI SHIFA KHANA

#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)
Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	ثواب اور انتساب	12
2	اپنی بات	13
3	کلماتِ حبّان	14
4	منتخب آیات قرآنی اہل معرفت کیلئے	15
	پرہیزگاروں کے لئے جنت	15
	جو میری پیروی کرتا ہے وہ بدبخت نہیں رہتا	16
	اپنے اعمال کو ریا سے بچاؤ	16
	یہ ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے	16
	محسنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے	17
	خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں	17
	اہل ایمان کے لئے بشارت	17

	اولاد کے لئے دعا	17
	تقویٰ اور اطاعت کی دعوت	17
	اللہ تعالیٰ انسان کا رازق ہے	18
	ظاہری اور باطنی نعمتوں سے تمہیں نوازا	18
	وہ بہترین رزق دینے والا ہے	18
	سب کچھ اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں	19
	زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لئے مسخر کر دیا	19
	وہی حمد کا مستحق ہے	20
	صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو	20
	آسمانوں زمین میں اسی کی حمد ہو رہی ہے	20
	وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے	20
	نجات اس کی رحمت سے ہی ہوگی	21
	جسے وہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے	21
	مومن مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں	21
	مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں	22
5	عقیدۂ توحید	23
	ہدایت و گمراہی کس کی طرف سے ہے	23
	خدا تعالیٰ کی تنزیہ	24
6	حدیث نبوی ﷺ کی عظمت و اہمیت	25
7	حضور نبی ﷺ کا سلسلۂ نسبِ مبارکہ	29
	انبیاء علیہم السلام کی مدت عمر	37

8	رسول اللہ ﷺ کا حلیۂ مبارکہ	39
	قامت مبارک	39
	رنگ مبارک	39
	موئے مبارک	40
	چہرۂ مبارک	40
	آپ ﷺ کی چال	42
9	حضرت شیخ عبدالقدوس قطب العالمؒ کی نماز	43
	نمازوں کو ضائع کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے	45
	نماز میں کامل لذت	46
10	مشائخ سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ	48
	رسم پرستی اور تصنع پر نکیر	49
	مشائخ کیلئے انتہائی رنج وغم کی بات	49
	حکیم الامت کا معمول	50
	عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پر رسول اکرم ﷺ کی عنایتیں	51
	رسوم سے احتراز کی تاکید	51
	مشائخ بھی طالبین کو تلاش کرتے ہیں	52
	مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا جواب	53
11	صحبت اولیاء کی تاثیر	55
12	عتیقِ خداوندی	57
	صوفیاء کرام کے ملفوظات میں مذکور چند قابل توجہ نکتے	58
	دل کی سرد پڑی انگیٹھیوں کو از سرنو گرم کرنے کا نسخہ	62

13	علمائے دین کی حاضری خانقاہوں میں	64
	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے چند جملے	68
14	باپ بیٹا دونوں آیات قرآنی کے اثر سے مر مٹے	69
15	صدقہ کی فضیلت	71
16	ایک گلاس دودھ کی برکت	75
	یاد رکھیئے	77
17	سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ	78
18	گناہوں کی دوا	80
19	خدمت کے آداب	82
	خدمت کی تین شرطیں ہیں	86
	مسلمانوں کی خدمت	87
20	سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کی دعائیں	89
21	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خشیت کا عالم	93
	شدّتِ خوف	93
	دنیا میں مومن کا مزاج	94
	امام صاحب کا ہر عمل لائق اتباع ہے	94
	قرآن تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا	94
	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر تلاوت کا اثر	95
	ایمان میں زیادتی	95
22	شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ	96
23	دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ	100

	یہ سامان جنت تک	101
	اپنے اعمال کا ٹٹولنا	101
	زہد کو لازم پکڑو	102
	حضرت فاطمہؓ نے ایک روٹی کا ٹکڑا حضور ﷺ کو پیش کیا	102
	حضور ﷺ کی زندگی صبر وقناعت پر گزری	103
	عمدہ سامانِ گھر	104
	سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کیلئے نفع بخش ہو	105
	مجاہد فی سبیل اللہ کون	106
	آپ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رہیں	107
	کم عقلی اور بدفہمی کے مفاسد	108
	حکایت	109
	حضرت حکیم الامت کا واقعہ	110
	مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا واقعہ	110
	دولت کی ناقدری	111
	حضرت رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کا قصہ	112
	بے زبان و بے سہارا مخلوق کے حال پر نظر کرم	113
	جب بزرگوں کے گھر کے پالتو جانور بھی سمجھدار ہوتے تھے	114
	صوفیاء کی صحبت میں صحیح بات کو سمجھنے کی توفیق	116
24	تاج الاولیاء بابا تاج الدین ناگپورؒ	118
	محنت ومجاہدہ	118
	فوجی ملازمت کا دور	118

	کامٹی میں دوبارہ قیام	119
	آپ کی گرفتاری	119
	شاہی مہمان کی حیثیت سے قلعہ میں داخلہ	120
	کاشی ناتھ پٹیل جی کی مہمان داری	120
	وصال	121
25	امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	122
26	عشق میں ڈوبے اشعار	128
	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	129
27	حضرت سید شاہ حسام الدین حسینیؒ المعروف بہ تیغ برہنہ	131
	خواجہ دکن حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ	132
	سید محمد اکبر حسینی	134
	دسویں سجادہ نشین شاہ حامد حسین	135
	گیارہویں سجادہ نشین شاہ عاشق حسین	135
	شاہ ارزاں بحیثیت صاحب تصنیف	136
	تصوف اور صاحبان تصوف سے متعلق ایک مختصر جائزہ	138
	مدینہ منورہ کے چند نام	141
28	اپنی عقل کو بھی کام میں لانا چاہیئے	142
	ایک اعرابی کی حاضر جوابی	143
29	وہ بھی تھے کیسے کیسے اہلِ دل	148
30	مردِ قلندر ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ	151
	مزارات اولیاء کی بے احترامی کا انجام	154

	عقل وعشق کا موازنہ	155
31	بننے یا بگڑنے کا زمانہ طالب علمی کا زمانہ ہے	156
	اگر مدرسہ میں رہ کر نہ بنوگے تو کہاں بنوگے	157
	حضرت تھانوی اور وقت کی قدر	158
32	حضرت خضر علیہ السلام کا عجیب واقعہ	160
	ارشادات عالیہ	162
	ولایت مادرزاد جنون بہتر ہے یا ہوش	163
33	میں فقیروں سے کچھ نہیں لیتا!	164
	چند انمول واقعات	167
34	ایثار وقربانی مجھے نہیں، پہلے میرے دوست کو بچاؤ!	170
35	بھلا کر بھلا ہوگا	175
36	وضو اور طہارت کی اہمیت	177
	مرید اور مراد	178
37	تبرّک کسے کہتے ہیں؟	179
38	تلقین	184
39	اس بحرِ دنیا سے ڈر کہ......	185
40	اصل شئے اخلاص ہے	186
	فلاح کا دارومدار قلب پر ہے	186
41	بہرحال مخلوق کو خالق سے مانگنا ہی ہے	196
	دعاؤں کے مختلف پہلو	199
	محبت اور خلوص دعاؤں کی قوت میں اضافہ کرتا ہے	199

	دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں	200
	دعا بغیر مدعا کے بھی کارگر ہے	201
42	صرف ایک اللہ سے مانگو	202
43	امام ربّانی متّبعِ رسولؐ تھے	204
	جہادِ آزادی کا آغاز	205
44	مدارس کے متعلق حکمت کی باتیں حقیر سمجھنے کا حق کسی کو نہیں!	208
	حق تعالیٰ پر نظر رکھیں	209
	نظامِ سنت مقصود ہے	209
	مدارس کے لئے دعا کا طریقہ	210
	دین کے دوسرے شعبوں کی نفی نہ کریں	210
	تبلیغی جماعت کی بنیاد	211
	تعلیم اور تبلیغ کے ساتھ تزکیۂ نفس	211
	ہر کام سے رضائے الٰہی مقصود ہو	212
	سچے اہل اللہ کی محبت	213
	فریق نہ بنے بلکہ رفیق بنے	214
	دل شکنی کے بجائے دین شکنی پر توجہ دیں	214
	صرف نسبت کافی نہیں	215
	دینی خدّام کی حالت	215
	عمل بغیر اخلاص کے نامقبول	215
45	ایک بدترین گناہ!	216
	قسم کا کفارہ	220

46	رحمۃ اللعالمینؐ کے نقشِ قدم پر صحابہؓ	222
	کیا آپ اللہ کی محبت کے طلب گار ہیں؟	224
47	باتیں کلام اللہ کی......ذکر حبیب اللہ کا	225

☆☆☆

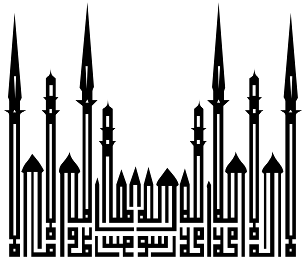

بحمد اللہ تعالیٰ ''اہلِ معرفت کی راہیں'' کا

ثواب اور انتساب

ایک ایسی اجلہ شخصیت کے نام معنون کرتا ہوں کہ جو اپنے وقت کے بڑے پاپ سنگر تھے۔ اور پچاس سال ان کے نام کی دھوم رہی لیکن انہوں نے خوفِ خدا، اور محبتِ رسول ﷺ میں تمام آلاتِ طرب توڑ دیئے اور عیش و آرام کی زندگی کو خیر باد کہہ کر فقیرانہ زندگی اختیار کر لی اور قلندر زماں حضرت مولانا الحاج محمد مصطفیٰ کامل رشیدی اعرابی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی اور صاحبِ کشف بنے نیز راہِ سلوک میں بلند مقام حاصل کیا اور اپنے وقت کے شیخ طریقت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو صاحب کرامت بنا دیا تھا۔ میری مراد ہے ''حضرت صوفی محمد عاشق الٰہی چرتھاولی رحمۃ اللہ علیہ''۔

اللہ رب العزت ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنی شایانِ شان بہتر بدلہ عطا فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین!

خاکپائے آستانہ حاذق الامتؒ

محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاولی

خانقاہ رحیمی دار العلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

مورخہ ۲۲ر جنوری ۲۰۱۴ء

بروز چہار شنبہ بعد نماز مغرب

اپنی بات

الحمد لله وكفىٰ وسلام علىٰ عبادهِ الذين الصطفى اما بعده!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے ایسا ماحول عطا فرمایا کہ جس میں اس کے ذکر وفکر کی توفیق عطا ہوجاتی ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد دارالعلوم محمدیہ بنگلور میں بلا ناغہ مجلسِ ذکر بالجہر کا اہتمام رہتا ہے اور ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مجلسِ رحیمی منعقد ہوتی ہے جس میں شیخ طریقت حبیب الامت عمت فیوضہم حاضرین کے لئے جواہر پارے بکھیرتے ہیں یہ سلسلہ مستقل طور پر چل رہا ہے۔ حضرت والا حفظہ اللہ کے پسند فرمودہ مضامین جو آپ کی مجلسِ مبارک میں پڑھ کر سنائے گئے۔ یا حضرتِ والا حفظہ اللہ کے ارشاداتِ مبارکہ۔ ناچیز نے ان کو محفوظ کر کے حضرتِ والا حفظہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کو آپ نے بے حد پسند فرمایا اور اس مجموعہ کا نام بھی مضامین کے اعتبار سے ”اہلِ معرفت کی راہیں“ تجویز فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ اس کو خواص وعوام کے لئے نافع بنائے اور حضرتِ والا حفظہ اللہ کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

والسلام

خادم

زبیر احمد مفتاحی

استاذ دارالعلوم محمدیہ بنگلور

وخادم خانقاہ رحیمی بنگلور

کلماتِ حبان

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم امابعده!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کروڑوں کروڑوں شکر واحسان اور حضور سرورِ کونین تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کروڑوں کروڑوں درود شریف کے نذرانۂ عقیدت ومحبت کے بعد عرض یہ کہ میرے محبی عزیز القدر جناب مولانا حکیم زبیر احمد صاحب زید قدرہم استاذ دارالعلوم محمدیہ نے ناچیز کی مجلس سے مفید اور کارآمد مضامین جمع کر کے ان کو کتابی شکل دی، اس فقیر نے ان مضامین پر مشتمل مجموعہ کو ”اہل معرفت کی راہیں“ سے منسوب کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خواص وعوام کے لئے نافع بنائے اور مولانا موصوف اور مجھ ناکارہ کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین!

خادم آستانہ حاذق الامتؒ

محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاولی

خانقاہ رحیمی بنگلور کرناٹک

مورخہ ۲۰ر جنوری ۲۰۱۴ء

بروز پیر بعد نماز فجر

منتخب آیات قرآنی اہل معرفت کیلئے

اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا.

"بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے پیدا فرما دے گا خدا مہربان ان کے لئے (دلوں میں) محبت"۔ (سورہ مریم:۹۶)

پرہیز گاروں کے لئے جنت

جَنّٰتِ عَدۡنِ الَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا. لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلَامًا وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا. تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا. مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا.

"سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوند) رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جن میں کوئی لغویات بجز، سلامت رہو، کی دعائیہ صدا اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح و شام، یہ وہ جنت

ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں سے (صرف) اس کو جو متقی ہوگا۔ اور (جبرئیل) میرے نبی سے کہو کہ ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا"۔ (سورہ مریم:۶۱ تا ۶۴)

جو میری پیروی کرتا ہے وہ بدبخت نہیں رہتا

قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰى. "ترجمہ: حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا"۔ (سورہ طٰہٰ:۱۲۳)

اپنے اعمال کو ریا سے بچاؤ

قُلۡ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰى اِلَىَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا.

"ترجمہ: (اے پیکر رعنائی و زیبائی) آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح، وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہٗ ہے پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو"۔ (سورہ کہف:۱۱۰)

یہ ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے

اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى. "ترجمہ: بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے"۔ (سورہ طٰہٰ:۳)

محسنین کے لئے ہدایت ورحمت ہے

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ.

''ترجمہ: سراپا ہدایت اور رحمت ہے نیکو کاروں کے لئے''۔ (سورہ لقمان:۳)

خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ.

''ترجمہ: اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار''۔ (سورہ عنکبوت:۲۲)

اہل ایمان کے لئے بشارت

مَاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا.

''ترجمہ: وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں ہمیشہ ہمیش۔ (سورہ کہف:۳)

اولاد کے لئے دعا

وَزَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ.

''ترجمہ: اور یاد کرو زکریا u کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔'' (سورہ انبیاء:۸۹)

تقویٰ اور اطاعت کی دعوت

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ. ''ترجمہ: پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔''

اللہ تعالیٰ انسان کا رازق ہے

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْاَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى.

''ترجمہ: اور حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہئے اس پر نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی روزی دیتے ہیں آپ کو اور اچھا انجام پرہیزگاری ہی کا ہوتا ہے۔'' (سورہ طٰہٰ:۱۳۲)

ظاہری اور باطنی نعمتوں سے تمہیں نوازا

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ.

''ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی اور بعض ایسے (نادان) لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب''۔ (سورہ لقمان:۲۰)

وہ بہترین رزق دینے والا ہے

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ.

"ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہ (جہاد میں) قتل کر دیئے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"۔ (سورہ حج:۵۸)

سب کچھ اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ هَلْ مِنْ شُرَکَائِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذَلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔

"ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقرر وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کریگا کیا تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہے ہو ان کاموں میں سے کوئی پاک ہے ہے اللہ تعالیٰ (ہر عیب سے) اور بلند ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں"۔ (سورہ روم:۴۰)

زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لئے مسخر کر دیا

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔

"ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی اور بعض ایسے نادان لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت نہ کوئی روشن کتاب"۔ (سورہ لقمان:۲۰)

وہی حمد کا مستحق ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا۔

"ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی (اور معاش ومعاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے اان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لئے بہت عمدہ جزا ہے"۔ (سورہ کہف:۱-۲)

صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۔ "ترجمہ: سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی تم جب شام کرو اور جب تم صبح کرو"۔ (سورہ روم:۱۷)

آسمانوں زمین میں اسی کی حمد ہو رہی ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ

"ترجمہ: اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو"۔ (سورہ روم:۱۸)

وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے

وَرَبُّکَ یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔

"ترجمہ: اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوتے ہیں ان کے سینے اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں"۔ (سورہ قصص:۶۹)

نجات اس کی رحمت سے ہی ہوگی

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ. "ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اپنے فضل وکرم سے بے شک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو"۔ (سورہ روم:۴۵)

جسے وہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا.

"ترجمہ: اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ (سورہے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں (سورج کا) یوں (طلوع غروب) اللہ تعالیٰ نشانیوں میں سے ہے (حقیق یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو تو نہیں پائے گا اس کیلئے کوئی مددگار (اور) رہنما"۔ (سورہ کہف:۱۷)

مومن مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. "ترجمہ: آپ حکم دیجئے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی

نگاہیں اور حفاظت کرے اپنی شرمگاہوں کی یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں"۔ (سورہ نور:۳۰)

مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَائِهِنَّ اَوْ اٰبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَائِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

"ترجمہ: اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایا ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنی گریبانوں پر اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہر کیلئے یا اپنے باپوں کیلئے یا اپنے شوہروں کے باپوں کیلئے یا اپنے بیٹوں کیلئے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کیلئے یا اپنے بھائیوں کیلئے یا اپنے بھتیجوں کیلئے اور اپنے بھانجوں کیلئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہوجائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہوجاؤ"۔ (سورہ نور:۳۱)

☆☆☆

عقیدۂ توحید

عقیدہ: اللہ ایک ہے۔ پاک بے مثل بے عیب ہے۔ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے کوئی کسی بات میں نہ اسکا شریک نہ برابر نہ اس سے بڑھ کر وہ مع اپنی صفات کمالیہ کے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہمیشگی صرف اسی کی ذات اور صفات کیلئے ہے اس کے سوا جو کچھ ہے پہلے نہ تھا جب اس نے پیدا کیا تو ہوا۔ وہ اپنے آپ ہے بے نیاز۔ وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں اور سب اسکے محتاج۔ روزی دینا، مارنا، جلانا، اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ سب کا مالک جو چاہے کرے اسکے حکم میں کوئی دم نہیں مار سکتا بے اس کے چاہے ذرہ نہیں ہل سکتا۔ وہ ہر کھلی، چھپی، ہونی، ان ہونی کو جانتا ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ دنیا جہان سارے عالم کی ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے سب اسکے بندے ہیں وہ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان، رحم کرنے والا گناہ بخشنے والا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ اس کی پکڑ نہایت سخت جس سے بے اسکے چھڑائے کوئی چھوٹ نہیں سکتا عزت اسی کے اختیار میں ہے جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کرے مال و دولت اسی کے قبضے میں ہے جسے چاہے امیر کرے جسے چاہے فقیر کرے۔

ہدایت وگمراہی کس کی طرف سے ہے

ہدایت وگمراہی اسی کی طرف سے ہے جسے چاہے ایمان نصیب ہو جسے چاہے کفر میں مبتلا ہو۔ وہ جو کرتا ہے حکمت ہے۔ انصاف ہے۔ مسلمانوں کو جنت عطا

فرمائے گا۔ کافروں پر دوزخ میں عذاب کرے گا۔ اس کا ہر کام حکمت ہے بندہ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کی نعمتیں اس کے احسان بے انتہا ہیں۔ وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا دوسرا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

خدا تعالیٰ کی تنزیہ

عقیدہ: اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیات سے پاک ہے یعنی نہ وہ جسم ہے نہ اس میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو جسم سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ یہ اس کے حق میں محال (جو کبھی کسی طرح ہو نہ سکے) ہیں۔ وہ زمان ومکان طرف وجہت شکل وصورت، وزن ومقدار، زیادہ ونقصان (یعنی بیشی وکمی)، حلول (یعنی سما جانا)، واتحاد (یعنی دو چیزوں کا مل کر ایک ہو جانا)، توالد وتناسل، حرکت وانتقال، تغیر وتبدل وغیرہا جملہ اوصاف واحوال جسم سے منزہ وبری ہے۔ اور قرآن وحدیث میں جو بعض ایسے الفاظ آئے ہیں: ید ۔ وجہ ۔ رجال ۔ ضحک وغیرہا جن کا ظاہر جسمیت پر دلالت کرتا ہے ان کے ظاہری معنی لینا گمراہی وبد مذہبی ہے۔ اس قسم کے الفاظ میں تاویل کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا ظاہر مراد نہیں کہ اس کے حق میں محال ہے مثلاً ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی ذات سے استواء کی غلبہ وتوجہ سے کی جاتی ہے لیکن بہتر واسلم یہ ہے کہ بلا ضرورت تاویل بھی نہ کی جائے۔ بلکہ حق ہونے کا یقین رکھے اور مراد کو اللہ کے سپرد کرے کہ وہی جانے اپنی مراد ہمارا تو اللہ ورسول کے قول پر ایمان ہے کہ استواء حق ہے ید حق ہے اور اس کا استواء مخلوق کا سا استوا نہیں۔ اس کا ید مخلوق کا سا ید نہیں۔ اس کا کلام دیکھنا سننا مخلوق کا سا نہیں۔ عقیدہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات نہ مخلوق ہیں نہ مقدور۔

☆☆☆

حدیث نبوی ﷺ کی عظمت واہمیت

عرب مصنف عبدالستار شیخ اپنی تالیف ''الحافظ الذہبی'' (شائع کردہ دارالقلم دمشق ۱۴۱۴ھ) کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ''ائمہ حدیث نے سنت نبوی ﷺ کی خدمت میں جو کارنامے وانجام دیئے وہ انسانی تاریخ میں عجائب اور قصے معلوم ہوتے ہیں۔ انسانی حوصلے اور طاقت سے جو کام انہوں نے کئے اس کی مثال نہیں ملتی''۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ ہم ایک حدیث کی طلب میں لمبے لمبے سفر کرتے تھے۔ ریگستان اور بیابان کے درمیان سے چل کر کئی کئی دن کے بعد ایسے بزرگ کی خدمت میں ہوتے جن کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ کسی حدیث نبوی ﷺ کی روایت کرتے ہیں۔ کبھی ہمارے سفر خچروں اور پر وار کبھی اونٹوں پر ہوتے اور کبھی پیدل جاتے، ساتھ قلم اور روشنائی ہوتی، دل حاضر ہوتے، دماغ یکسو ہوتے، ہم اس محدث کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے اور وہاں جا کر منظر دیکھتے کہ جس حدیث کی طلب میں ہم آئے ہیں وہاں سینکڑوں طالب علم پہلے سے موجود ہیں اور سب کے پاس دوات ہے، قلم ہیں، کھانے پینے اور رہنے کی جگہ کہیں نکال لیتے اور کبھی اس کی فکر نہیں کرتے، بسا اوقات دس ہزار انسان ایک شیخ کی مجلس میں حاضر

ہوتے، گھروں میں جگہ نہ ہوتی تو میدان میں جگہ بنا لیتے اور شیخ ان کے وسط میں بیٹھ کر حدیث نبوی ﷺ کا درس دیتے۔ یہ شیوخ اور ان کے طالب زیادہ تر اپنی قوت یاد داشت پر بھروسہ کرتے۔

جب حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے والد ماجد سے کتنی حدیثیں سنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک لاکھ اور کئی ہزار حدیثیں اور فرمایا کہ جو حدیث میں سناتا ہوں، وہ میں نے اپنے والد سے ایک بار نہیں کئی بار دو مرتبہ یا تین مرتبہ سنی ہے۔

حضرت داؤد بن یحییٰ جب بغداد کے محدث حافظ محمد بن علی جن کا لقب ''قرطمہ'' تھا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت قرطمہ نے کہا کہ یہ احادیث کے مجموعے تمہارے سامنے ہیں' ان میں سے کسی مجموعہ کو اٹھا لو کہ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں' داؤد نے کہا: ''کتاب الاشربۃ'' انہوں نے اس کے آخری باب سے اول باب تک جو حدیثیں تھیں سنا دیں۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن عمر الکندری القرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین لاکھ حدیثوں پر گفتگو کر سکتا ہوں۔

ان حضرات نے جو کچھ حاصل کیا' وہ ان کی شب وروز کی محنت' احادیث نبوی ﷺ سے محبت وتعلق کا نتیجہ تھا۔ ان پر حصول علم کی یک دھن سوار تھی۔ حافظ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم مصر حصول حدیث کے لئے گئے' وہاں صرف شوربہ پی کر چھ مہینے پڑے رہے' دن کے اوقات شیوخ کی مجلسوں کیلئے تقسیم کر دیئے تھے اور راتوں کو ان کا نقل کرنا اور ایک دوسرے کی یادداشت سے مقابلہ کرنا ہمارا معمول تھا۔ مزید کہا کہ ایک روز میں اپنے ایک رفیق کے ساتھ ایک شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے کہا کہ وہ بیمار ہیں' واپسی کے راستے میں ایک مچھلی دیکھی' جو پسند آئی' اسے خرید لیا' جب اپنے ٹھکانے پر پہنچے تو دوسرے شیخ کی مجلس کا وقت ہو چکا تھا۔ اسلئے مچھلی کھانے

کا موقع نہ ملا اور ہم حدیث کی مجلس میں حاضر ہوگئے۔ وہاں ایک تسلسل قائم تھا' ایک شیخ کے بعد دوسرے شیخ آتے اور املاء کراتے' اس طرح تین دن گذر گئے اور مچھلی قریب تھا کہ اپنا مزا اور بو بدل دے' تو ہم لوگوں نے کچی ہی کھالی' اس لئے کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ اس کی صفائی کرتے یا تلنے اور پکانے کا وقت نکالتے۔

''سیر اعلام النبلاء'' میں لکھا ہے کہ یہ قول ان ہی کا ہے۔ ''**لایعطاع العلم برحته الجسد**''، جسم کے آرام کے ساتھ حصول علم ممکن نہیں ہے۔ حافظ موتمن بن احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے کتاب ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' جو حدیث کی مصطلحات پر مشتمل ہے اسے اچھی طرح سمجھ کر ایک نشست میں پڑھ ڈالی جس کے ۶۵۴ صفحات تھے۔ طلب علم ان حضرات کے لئے روحانی غذا تھی اور وہ عمل بالحدیث کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ وہ علم ہی کیا جو عالم کو فائدہ نہ پہنچائے۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اے طالب علم' میں تمہیں حصول علم میں اخلاص نیت کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ دل وجان سے اس بات کی کوشش کرو کہ ان احادیث پر عمل بھی ہو' اس لئے کہ علم درخت ہے اور عمل اس کا پھل ہے اور وہ ہمارے نزدیک عالم نہیں' جس نے اپنے علم کے مطابق عمل نہ کیا ہو۔

اس لئے آپ دیکھیں گے کہ ان حضرات نے اپنی راتوں کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ علم کے لئے' دوسرا عبادت کے لئے' تیسرا نیند کے لئے۔ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے ہمیشہ لرزاں رہا کرتے تھے' ذکر کا اہتمام کرتے تھے' رات کو کم سوتے تھے اور پوری رات مطالعے' تلاوت' ذکر و تہجد میں گذار دیا کرتے تھے۔ شب بیداری ان کی عادت بن گئی تھی اور دن کے تمام اوقات کو علم اور ذکر سے آباد رکھتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ: ۴/۲۴۸)

حافظ ابو بکر بن موسیٰ الحازی رحمۃ اللہ علیہ جب جوان تھے' ان کے بارے میں نجار نے لکھا ہے کہ ہم نے ابو حاتم المقری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے' جو ہمارے پڑوسی تھے اور وہ ایک اچھے اور نیک آدمی تھے' وہ ہر رات جب اپنی کوٹھری میں جاتے تو کتاب کا مطالعہ کرنے لگتے' یہاں تک کہ صبح ہو جاتی' ان کے حوالے سے منقول ہے کہ نوکر سے کہا گیا' ایسا کرو کہ آج کی رات چراغ میں تیل نہ دو' تاکہ یہ شخص رات کو کچھ آرام کر لے' جب رات ہوئی تو خادم نے چراغ میں تیل ڈالنے سے معذرت کر لی' تو وہ اپنی کوٹھری میں نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور اتنی لمبی تلاوت کی کہ فجر ہوگئی۔ رباط کے شیخ کہتے ہیں کہ ہم ایک بار نہیں کئی بار ان کی خبر گیری کیلئے گئے تو انہیں نماز کی حالت میں دیکھا۔

محدثین کرام کے صدق واخلاص کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ علم کی راہ میں دل کھول کر مالی قربانی بھی دی اور اور اس پر اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ شکرگذار رہے کہ انہیں سنت نبوی ﷺ کی خدمت میں توفیق عطا فرمائی۔

ہشام بن عبید اللہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک ہزار سات سو شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوا (شیخ سے مطلب حدیث کے عالم جو اپنے طلبہ کو حدیث پڑھ کر سناتے تھے) ان میں سب سے کم عمر کے بزرگ عبد الرزاق تھے۔ حصول علم کی راہ میں' میں نے سات لاکھ درہم خرچ کئے ہیں۔

ان تمام تاریخی واقعات سے احادیث نبوی ﷺ کی عظمت واہمیت اور اس کی حفاظت اور جمع وتدفین کے لئے محدثین کی گراں قدر خدمات اور ان کے کردار وعمل کا پتہ چلتا ہے۔ جو بلاشبہ اسلامی تاریخ کا ایک قابل فخر باب ہے۔

☆☆☆

حضور نبی ﷺ کا سلسلۂ نسبِ مبارکہ

حضرت محمد ﷺ کا سلسلۂ نسب آپ کے والد بزرگوار عبد اللہ سے جد امجد عدنان تک معلوم اور مستند ہے مگر عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اس میں مختلف آراء ہیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ نسب بیان کرنے والوں نے غلط بیانی کی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد خوب پھولی پھلی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ۱۲ بیٹے عطا کئے تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱- مبشام، ۲- اوبائیل، ۳- مشماع، ۴- مشا، ۵- حدر یا حدد، ۶- یطور، ۷- نافیش (بائل میں 'نفیس') ۸- دوما، ۹- تیماء، ۱۰- قیدماہ، ۱۱- نبایوط (نابت یانبط)، ۱۲- قیدار۔ (تاریخ ارض القرآن ج:۲، ص:۴۹ تا ۶۹)

بنو اسماعیل میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر ان کی اولاد میں عدنان تک چالیس پشتیں بیان کی جاتی ہیں، تاہم عدنان سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک سلسلۂ نسب کی شخصیتوں کے نام معلوم ہیں جن کے احوال درج ذیل ہیں: ۱- عدنان آل اسماعیل میں سرکردہ شخص۔ یہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے کعبہ کو چمڑے کا غلاف پہنایا۔

لفظ 'عدنان' علام (قیام کرنا) سے ماخوذ ہے۔ یوں عدنان کے معنی ہوئے: ''قیام کرنے والا''۔ یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر شاہ بابل (عراق) کے ہم عصر تھے جس نے ۵۸۶ ق م میں بیت المقدس کو غلام بنا کر بابل لے گیا تھا۔

۲- معد: اس نام کے معنی ہیں ''طاقتور'' بخت نصر کے دور میں ان کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ بخت نصر نے جب عرب پر حملہ کیا تو معد بن عدنان کو قتل کرنا چاہا مگر اپنے لشکر میں شامل ایک نبی کے یہ کہنے پر چھوڑ دیا ''اس کی اولاد میں نبوت ہوگی''۔

نزار: اس نام کے معنی ''یگانۂ روزگار'' کے ہیں۔ یعنی جو اپنے زمانے میں بے مثال ہو۔ ان کی پیدائش کے وقت معد نے بیٹے کی آنکھوں میں نبوت کی روشنی دیکھی تھی، اس لئے انہیں یہ نام دیا۔

۳- مضر: نذار کے اس بیٹے کو جو بھی دیکھتا، ان کی خوبصورتی سے متاثر ہوتا۔ ان کے سفید رنگ کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا۔ جو ''مضیر ہ'' سے مشتق ہے اور جس کے معنی ہیں: ''سفید دودھ'' انکے بھائی ربیعہ کی اولاد میں عنزہ اور جدیلہ قبائل مشہور ہوئے۔

۴- الیاس: اس نام کے معنی ہیں ''شجاع'' جب الیاس بن مضر جوان ہوئے تو انہوں نے بنو اسماعیل کو دوبارہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے طریقے پر کاربند کیا۔ اہل عرب الیاس کی حکمت و دانائی کی تعریف کرتے تھے۔ مشہور قبائل، ہوازن اور غطفان، ان کے بھائی قیس عیلان کی اولاد تھے۔

۵- مدرکہ: بلاذری اور شاطبی کے بقول ان کا اصل نام عمرو بن الیاس تھا۔ مُدرکہ کے معنی ہیں ''پانے والا'' ایک سفر میں انہوں نے جنگلی خرگوش سے ڈر کر بھاگے ہوئے گم شدہ اونٹ پا لئے تھے۔

۶- خزیمہ: یہ ''خزمہ'' کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں ''کھجور کی طرح کا درخت جس کے پتوں سے ٹوکریاں بنتی ہیں''۔ خزیمہ بن مُدرکہ اعلیٰ اخلاق رکھتے تھے اور

ملت ابراہیمی کے دین پر فوت ہوئے۔ان کے بھائی ہذیل تھے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بنوہذیل میں سے تھے۔

۷-کنانہ: اس کے معنی ہیں ''ترکش'' اور کنانہ بن خزیمہ اپنی قوم کے لئے اسی طرح آڑ اور مامن تھے جس طرح ترکش اپنے اندر تیر محفوظ رکھتا ہے۔کنانہ بن خزیمہ بہت معزز اور علم وفضل والے تھے جس کی وجہ سے اہل عرب ان سے رجوع کرتے تھے۔ان کے خواب میں پوچھا گیا ''جاہ وحشمت' تعمیرات اور مال ومتاع میں سے کون سی شے چاہتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''تمام چیزیں، اے رب! یوں یہ تمام اوصاف قریش کی ودیعت ہوئے۔کنانہ کے دو بھائی اسد اور ہون تھے جن کے نام سے دو قبائل مشہور ہوئے۔

۸-نضر: ان کے چہرے کی نضرت (تروتازگی) اور خوبصورتی کے باعث ان کا یہ نام پڑا۔ایک قول کے مطابق انہی کا لقب ''قریش تھا''۔عبدمناۃ، عمرو، عامر، مالک اور ہلکان ان کے بھائے تھے۔عبدمناۃ کی اولاد میں قبائل بکر، مدلج اور غفار مشہور ہوئے۔

۹-مالک: ان کی کنیت ابوحارث اوران کی والدہ عاتکہ تھیں۔مالک بن نضر کا مشہور قول ہے: ''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خوبصورت چہرے اپنے عیب چھپا لیتے ہیں۔ جب ان کے عیب ظاہر ہوئیں تو پھر ان کی صورت پر نہ جاؤ''۔

۱۰-فہر: اس نام کے معنی ہیں: ''ہتھیلی کے برابر پتھر''۔فہر بن مالک کی کنیت ''ابوغالب'' تھی ایک مشہور قول کے مطابق فہر ہی کا لقب قریش تھا۔یاد رہے ''قرش'' ایک بحری حیوان (غالباً وہیل) کا نام ہے جو تمام سمندری جانوروں پر غالب رہتا ہے۔یوں قوت وطاقت کے وصف کی بنا پر ان کا نام ''قریش'' (قرش کا اسم تصغیر) پڑ گیا۔بعض کہتے ہیں کہ ماں نے ان کا نام قریش رکھا تھا جب کہ فہر لقب تھا۔ان کے تیسرے بیٹے حارث کی اولاد (بنوحارث) میں سے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔

۱۱-غالب: ان کے دوسرے بیٹے تیم الادرم کی نسبت سے ان کی کنیت ''ابوتیم'' تھی۔ایک جبڑا ناقص ہونے کے بعث تیم کو ''الادرم'' کہا جاتا تھا۔غالب بن فہر کاہن بھی تھے۔ان کے بھائی محارب اور حارث تھے۔

۱۲-لؤی: ایک قول کے مطابق ان کا نام لای (سست) سے ماخوذ ہے اور دوسرے قول کی رو سے لواء (پرچم) سے مشتق۔لؤی بن غالب بہت بردبار اور حکمت والے تھے۔ان کے یہ قول مشہور ہیں:

- .....''جس نے ہمیشہ نیکی کی، اس کی نیکی کبھی ختم نہیں ہوگی اور مسلسل اس کا تذکرہ ہوتا رہے گا''۔
- ......''جس پر نیکی کی جائے، اسے چاہئے کہ اس کا تذکرہ کرے اور نیکی کرنے والے کو چاہئے کہ لوگوں میں چرچا نہ کرے''۔

۱۳-کعب: لفظ ''کعب'' کے معنی ہیں ''ٹخنہ'' اور قدم پر ٹخنے کی اونچائی کے باعث یہ شرف وعزت کے معنی بھی دیتا ہے۔کعب بن لؤی کی شرف وعزت عرب میں اس قدر زیادہ تھی کہ ان کی وفات سے برسوں کا تعین ہونے لگا: اور یہ سلسلہ عام الفیل تک جاری رہا۔ایک قول کے مطابق کعب ہی نے یوم عروبہ کا نام بدل کر یوم جمعہ رکھا۔انکی کنیت ابوہصیص تھی۔ان کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۶۰ سال پہلے تھا۔ گویا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔کعب نے خطبے میں سب سے پہلے ''اما بعد'' کا استعمال شروع کیا۔ ان کے بیٹے عدی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جدامجد اور دوسرے بیٹے ہصیص کی اولاد میں سہم (عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے جدامجد) اور جمع تھے۔

۱۴-مرہ: اس نام کے ایک معنی ''قوی'' ہیں۔تلخ مزاج شخص کو بھی ''مرہ'' کہتے ہیں۔مرہ بن کعب کی کنیت ابویقظہ تھی۔ان کے بیٹے تیم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جدامجد تھے۔انکے دوسرے بیٹے یقظہ کی نسل سے بنومخزوم تھے۔

۱۵-کلاب: یہ شکار کے بہت شوقین تھے، کتوں کے ساتھ کسی علاقے سے گزرتے تو لوگ کہتے: ہٰذہ کلاب ابن مرہ (یہ ابن مرہ کے کتے ہیں) اس طرح ابن مرہ کا نام ہی ''کلاب'' پڑ گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''کلاب'' باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں ''باہم دشمنی کرنا''۔ ان کی کنیت ابوزہرہ تھی کہ زہرہ ان کے بیٹے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سونے سے آراستہ دو تلواریں کعبے کے اندر رکھے۔ نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بنوزہرہ میں سے تھے۔

۱۶-قصی: ان کا اصل نام زید تھا۔ یہ شیرخوار تھے۔ جب ان کے والد کلاب فوت ہوگئے اور ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام قضاعی سے شادی کرلی جو انہیں شام لے گئے۔ یوں زید اپنے اصل گھر سے دور ہونے کے باعث قصی کہلائے جو قصّی کا اسم تصغیر ہے۔ قصی بڑے ہوئے تو آل ربیعہ سے ان کا جھگڑا ہوا۔ ان سے غریب الدیار ہونے کا طعنہ سن کر قصی نے والدہ سے اپنی ولدیت کی حقیقت پوچھی اور پھر اس کی اجازت سے مکہ چلے آئے۔ بطحا پر قابض بنوخزاعہ میں حبی نامی خاتون سے ان کی شادی ہوئی اور ان کے سسر حلیل بن حبشیہ کی وفات پر اس کے بیٹے ابوغبشان محرش نے کعبہ کی تولیت قصی کے ہاتھ بیچ دی۔ تولیت کعبہ ملنے پر قصی نے دار الندوہ قائم کیا جہاں قریش جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے۔ قافلے بھی وہیں سے روانہ ہوتے۔ نکاح وغیرہ کی رسوم بھی وہیں ادا ہوتیں۔

اس کے علاوہ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) اور رفادہ (حاجیوں کے کھانے پینے کا اہتمام کرنے) کے مناصب تفویض کیے۔ ان ک ایما پر قریش نے رفادہ کیلئے ایک سالانہ رقم مقرر کی۔ قصی نے چمڑے کے حوض بنوائے جن میں حجاج کرام کیلئے پانی بھر دیا جاتا اور اس میں کھجور کا شیرہ اور انگور نچوڑ کر اسے خوش ذائقہ بنایا جاتا۔ مشعر

حرام بھی انہی کی ایجاد ہے۔ جس پر ایام حج میں چراغ جلائے جاتے۔ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت حاصل ہونے پر قصی نے قریش کو تمام اطراف سے بلا کر مکہ میں آباد کیا۔ انہوں نے کعبہ شریف اور مکانات کے درمیان والی جگہ کا نام المفروش رکھا جسے اب حرم یا مطاف کہا جاتا ہے۔ قصی نبی ﷺ کے پانچویں جدامجد تھے۔

قصی کا زمانہ ۴۳۱ء تا ۴۷۳ء تھا۔ انہوں نے مرتے وقت سقایہ اور رفادہ کے منصب اپنے بیٹے عبدالدار کو سونپ دیئے، اگرچہ وہ ان عہدوں کا اہل نہ تھا۔ ان کے دوسرے بیٹے، عبدالعزیٰ کی پڑپوتی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی حضور اکرم ﷺ کی شادی ہوئی۔ جب کہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔

۱۷-عبد مناف: قصی کے بعد قریش کی ریاست ان کے بیٹے عبد مناف کو ملی۔ ان کا اصل نام مغیرہ اور لقب عبد مناۃ تھا۔ بعد میں قصی نے عبد مناۃ بن کنانہ سے مشابہت کے باعث ان کا لقب بدل کر عبد مناف کر دیا۔ ''مناف'' کے معنی ہیں ''شرف کا مقام'' مناف دور جاہلیت کا ایک بت بھی تھا۔ اس نسبت سے وہ عبد مناف کہلائے۔ ان کی کنیت ابوشمس تھی انہوں نے قصی کی بنائی ہوئی عمارات مکمل کیں۔ عبد مناف کے بیٹے عبدشمس کی اولاد میں امیہ نے بہت شہرت پائی۔ ابوسفیان بن حرب انہی امیہ کے پوتے تھے۔ جب کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حرب کے بھائی، ابوالعاص کے پوتے اور امیہ کے پڑپوتے تھے۔

۱۸-ہاشم: یہ عبد المناف کے بیٹوں میں سے نہایت صاحب صولت اور بااثر تھے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کی مدد سے سقایہ اور رفادہ کے مناسب عبدالدار سے واپس لئے۔ ان کا نام ''عمرو العلاء'' اور لقب ''ہاشم'' جب کہ کنیت ''ابونضلہ'' تھی۔ ہاشم کے معنی ہیں ''روٹی کا چورا کرنے والا''۔ وہ شدید قحط کے سال فلسطین گئے۔ وہاں سے آٹا اونٹوں پر لدوا کر مکہ مکرمہ لائے، اس کی روٹیاں پکوائیں، پھر ان کا چورا بنوا کر ثرید

تیار کیا اور مکہ والوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ اس لئے ان کا لقب ''ہاشم'' پڑ گیا۔ انہوں نے قیصر روم سے خط وکتابت کر کے فرمان جاری کروایا کہ قریش کے مال تجارت پر کوئی محصول نہ لیا جائے، نیز نجاشی حبشہ سے بھی ایسا ہی فرمان حاصل کیا۔

قریشی تاجر انگورہ (انقرہ) جاتے تو قیصر روم عزت سے پیش آتا تھا۔ ایک بار ہاشم تجارت کے لئے شام روانہ ہوئے۔ راستے میں انہوں نے یثرب کے میلے میں سلمیٰ نامی ایک حسین عورت دیکھی جو بنو نجار سے تھی۔ ہاشم کی خواہش پر سلمیٰ نے ان سے نکاح کر لیا۔ شادی کے بعد وہ شام چلے گئے اور غزہ (فلسطین) میں ان کا انتقال ہوا۔ ہاشم وہیں دفن ہوئے، چنانچہ ان کے نام پر یہ شہر ''غزہ ہاشم'' کہلانے لگا۔

ان کی وفات کے بعد سلمیٰ سے ان کا بیٹا شیبہ پیدا ہوا جس نے آٹھ سال یثرب میں پرورش پائی۔ پھر ہاشم کے بھائی مطلب اپنے بھتیجے کو مکہ لے آئے۔

۱۹-عبد المطلب: چونکہ شیبہ کی پرورش ان کے چچا مطلب نے کی۔ اسلئے ان کا نام عبد المطلب یعنی ''مطلب کا غلام'' مشہور ہو گیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہِ زمزم جو مدت پہلے ریت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا، انہوں نے اس کا پتہ لگایا اور کنواں کھدوا کر نئے سیرے سے جاری کیا۔ عبد المطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنے دس بیٹے جوان ہوتے دیکھ لیں تو ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کر دینگے۔ یہ آرزو پوری ہوئی تو وہ بیٹوں کو لیکر کعبہ آئے اور کاہن سے قرعہ ڈالنے کو کہا۔ اتفاق سے قرعہ عبد اللہ کے نام سے نکلا۔ عبد اللہ کی بہنیں رونے لگیں۔ کہ انکے بدلے میں دس اونٹ قربان کر دیجئے۔ دوبارہ قرعہ ڈالا مگر پھر عبد اللہ کا نام نکلا۔ عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد بڑھاتے ہوئے سو ہو گئی۔ تب اونٹوں کا قرعہ نکلا۔ یوں سو اونٹ قربان کرنے سے عبد اللہ بچ گئے۔ یہ واقدی کی روایت ہے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضے کی تدبیر رؤسائے قریش نے پیش کی تھی۔

عبد المطلب کی کنیت ''ابو حارث'' اور ''ابو البطحاء'' تھی۔ وہ بڑے خوبصورت، جالا قد، دانشور اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ دین ابراہیمی کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ رمضان کا پورا مہینہ کوہ حرا پر گزارتے۔ غرباء اور مساکین حتیٰ کہ جنگلی جانوروں اور پرندوں کو کھانا کھلاتے۔ شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح اور لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے بے حد متنفر تھے۔ حطیم میں ان کے لئے ایک غالیچہ بچھا رہتا جس پر کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا۔ ان کا انتقال ۵۷۸، یا ۵۷۹ میں ہوا۔ تاجدار فارس نوشیرواں عادل کی وفات بھی ۵۷۹ء میں ہوئی۔

عبد المطلب کے ۱۲ بیٹوں میں سے پانچ نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کے باعث شہرت پائی، وہ تھے: ابولہب، ابوطالب، عبد اللہ، حضرت حمزہ اور حضرت عباس، ابولہب گورا اور آتشیں رخسار تھا، اسلئے باپ نے اسے یہ نام دیا تھا۔

عبد المطلب کے دوسرے بیٹوں کے نام یہ تھے:

ضرار، قثم، زبیر، مقوم، حارث، عبد الکعبہ اور غیداق۔

عبد المطلب ہی نے اپنے یتیم پوتے اور عبد اللہ و آمنہ کے بیٹے کا نام محمد (ﷺ) رکھا۔ ''محمد'' کے معنی ہیں ''جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے۔'' قریشی سرداروں نے سنا تو کہا کہ یہ کیسا نام ہے؟ عبد المطلب نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس کی بہت زیادہ تعریف ہو۔ ان کی یہ خواہش کما حقہ پوری ہوئی۔ عبد المطلب نے اپنے اس یتیم پوتے کی آٹھ سال پرورش کی اور پھر داغِ مفارقت دیتے وقت انہیں اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کر گئے۔

عبد المطلب کی سات بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے ام حکیم البیضاء کی بیٹی اروی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ یاد رہے حضرت زبیر بن عبد المطلب نبی ﷺ کے چچا تھے۔ جن کے بیٹے عبد اللہ بن زبیر نے شام کی

ایک جنگ میں شہادت ہوئی جب کہ حضرت زبیر بن عوام نبی ﷺ کی پھوپھی صفیہ کے بیٹے تھے۔

۲۰-عبداللہ: اونٹوں کے نام قرعہ نکلنے پر عبداللہ قربان ہونے سے بچ گئے۔تو حضرت عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے قبیلہ بنوزہرہ کے رئیس وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی آمنہ سے ان کی شادی کردی۔خود عبدالمطلب نے بھی وہب کی ایک بیٹی ہالہ سے نکاح کرلیا جس سے حضرت حمزہ پیدا ہوئے۔یوں حضرت نبی کریم ﷺ کے چچا ہونے کے ساتھ ساتھ خالہ زاد بھائی بھی ٹھہرے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت آمنہ سے شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر ۱۷ برس سے کچھ اوپر تھی۔ وہ تجارت کے لئے شام گئے واپسی پر یثرب میں بیمار ہونے کے باعث فوت ہوگئے۔حضرت عبداللہ نے ترکے میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی جس کا نام ''برکہ'' اور کنیت ''ام ایمن'' تھی۔

حضرت عبداللہ کی وفات کے ایک ماہ بعد ۹؍ربیع الاول مطابق ۲۲؍اپریل ۵۷۱ء کو حضرت آمنہ کے بطن سے حضرت محمد ﷺ تولد ہوئے۔قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' میں یہی تورات درج کی ہیں۔(ص:۳۵)

انبیاء علیہم السلام کی مدت عمر

حضرت آدم علیہ السلام	۹۶۰سال
حضرت حوا علیہا السلام	۹۳۷سال
حضرت ہود علیہ السلام	۹۶۵سال
حضرت نوح علیہ السلام	۹۵۰سال

حضرت صالح علیہ السلام	۵۰۷سال
حضرت ادریس علیہ السلام	۳۶۵سال
حضرت زکریا علیہ السلام	۳۰۰سال
حضرت شعیب علیہ السلام	۲۲۵سال
حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۹۵سال
حضرت سلیمان علیہ السلام	۱۵۰سال
حضرت ایوب علیہ السلام	۱۴۶سال
حضرت اسماعیل علیہ السلام	۱۳۷سال

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارکہ

قامت مبارک

آنحضرت ﷺ کی صفت باعتبار پیدائشی امور کے یہ تھی کہ نہ آپ بہت زیادہ دراز قامت تھے نہ پست قد، بلکہ میانہ قد تھے۔ مگر اس کے باوجود یہ عجیب بات تھی کہ کوئی دراز قامت آدمی آپ کے ساتھ چلتا تو محسوس یہی ہوتا تھا کہ آپ ہی اس سے بلند ہیں اور بعض اوقات وہ دراز قد آدمی آپ کے ساتھ معانقہ کرتے تو آپ دونوں سے زیادہ بلند نظر آتے تھے۔ پھر جب وہ علیحدہ ہوتے تو کہا جاتا کہ یہ دونوں دراز قد ہیں اور آپ درمیانہ قامت۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خیر وخوبی توسط (درمیانہ پن) میں رکھی ہے۔

رنگ مبارک

آنحضرت ﷺ سفید رنگ تھے نہ سیاہ اور نہ بہت شدید البیاض (جس کو بھورا کہا جاتا ہے) اور بعض لوگوں نے آپ کے رنگ کی یہ صفت بیان کی کہ سرخ وسفید تھے۔ اور دونوں کی تطبیق یہ ہے کہ بدن کے جو حصے دھوپ اور ہوا میں کھلے رہتے ہیں

جیسے چہرہ اور گردن وغیرہ وہ تو سرخ سفید تھے اور باقی بدن جو لباس میں مستور رہتا ہے وہ سفید خالص تھا۔ آپ کا پسینہ چہرۂ انور پر موتیوں کی لڑی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ پسینہ میں (بدبو کی بجائے) تیز مشک کی سی خوشبو تھی۔

موئے مبارک

آنحضرت ﷺ کے بالوں کی کیفیت بھی متوسط حالت میں تھی، نہ بالکل سیدھے نہ بہت مڑے ہوئے (گھنڈی کی طرح جیسے حبشیوں کے ہوتے ہیں) جب آپ کنگھا کرتے تھے تو بال الجھتے نہ تھے ایسے صاف نکل جاتے تھے جیسے ریتہ۔

بعض صحابہ کا بیان ہے کہ آپ کے بال دونوں شانوں تک تھے اور اکثر روایتوں میں ہے کہ دونوں کانوں کی لو تک تھے۔

آپ کے سفید بال سر اور ڈاڑھی میں ۱۷ عدد سے زائد نہ تھے آپ سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ کوئی شخص آپ کی صفت بیان کرنا چاہے تو مختصر طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ جیسے چودھویں رات کا چاند۔

آپ کا رنگ اور بشرہ لطیف ہونے کی وجہ سے آپ کی رضا اور غصہ آپ کے چہرہ سے ظاہر ہوجاتا تھا۔

چہرۂ مبارک

آنحضرت ﷺ کشادہ پیشانی تھے۔ بھوؤں کے بال گنجان اور پورے تھے۔ دونوں بھوؤں کے درمیان ایسی سفیدی تھی جیسے خالص چاندی۔ آنکھیں بڑی کشادہ تھیں۔ جن کی سیاہی گہری تھی اور کچھ سرخ جھلکتی تھی۔ آپ کی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔ ناک بلند اور دانتوں کے درمیان کشادگی تھی جب آپ ہنستے تھے تو بجلی کی سی روشنی

محسوس ہوتی تھی۔ آپ کے لب مبارک تمام لوگوں سے حسین اور لطیف تھے، رخسار مبارک حسین اور صلب تھے۔ چہرہ مبارک نہ طویل تھا اور نہ بہت پر گوشت۔ آپ کی ڈاڑھی گنجان تھی۔ آپ ڈاڑھی کو چھوڑتے اور موچھوں کو کٹواتے تھے۔ گردن مبارک سب سے زیادہ حسین تھی۔ نہ بہت طویل نہ بہت کوتاہ۔ گردن کا جو حصہ کھلا رہتا ہے وہ ایسا چمکتا تھا جیسے چاندی کا ابریق (لوٹا) جس میں سونا ملایا گیا ہو چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی جھلکتی ہو۔

سینہ مبارک وسیع کشادہ تھا آپ کے بدن مبارک کا گوشت ہر جگہ متناسب تھا کہیں بڑھا گھٹا نظر نہ آتا تھا۔ آئینہ کی طرح برابر صاف اور چاندی کی طرح سفید روشن۔ حلقوم کے نیچے سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط متصل تھا۔ آپ کے سینہ اور بطن پر اس کے سوا اور بال نہ تھے۔ شکم مبارک میں تین شکن تھے جن میں سے ایک ازار کے اندر مستور رہتا تھا۔ اور دو کھلے رہتے تھے۔ آپ کے شانے بڑے اور بال والے تھے۔ آپ کے جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور ضخیم تھیں۔ آپ کی پشت وسیع اور دونوں مونڈھوں کے درمیان داہنی جانب مائل مہر نبوت تھی۔ جس میں ایک سیاہ زردی مائل خال اور اس کے گرد چند بال تھے بازو اور دست مبارک پر گوشت مضبوط تھے۔ کلائی طویل اور ہتھیلیاں وسیع تھیں۔

انگشت ہائے مبارک گویا چاندی کی شاخیں اور ہتھیلی ریشم سے زیادہ نرم اور خوشبو سے مہکنے والی تھی خواہ خوشبو استعمال کریں یا نہ کریں جو کوئی آپ سے مصافحہ کرتا تو تمام دن اس کی خوشبو اپنے ہاتھ میں پاتا تھا۔ آپ بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو بچہ کے سر میں ایسی خوشبو کی مہک پیدا ہو جاتی تھی کہ دوسرے بچوں میں ممتاز ہو کر پہچانا جاتا تھا۔ آپ کا جسم اسفل رانیں اور پنڈلیاں پر گوشت۔ آپ کا پورا جسم مبارک موٹا پہ اور لاغری میں متوسط (درمیانہ) تھا۔

آپ ﷺ کی چال

آنحضرت ﷺ کے چلنے کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے کوئی اونچی جگہ سے اترتا ہو۔ قدم روک کر اور قریب قریب رکھتے تھے۔ چال میں تکبر و فخر کا شائبہ نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ میں آدم علیہ السلام کے ساتھ بہت مشابہ ہوں۔ اور میرے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدائشی خلقت اور اخلاق میں ان سے بہت مشابہ تھے۔ (حلیہ مبارک کی یہ ساری تفصیل دلائل نبوت ابو نعیم سے لی گئی ہے)

اور فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ محمّد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، (یعنی کفر کو مٹانے والا) اور میں عاقب ہوں۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور میں حاشر ہوں کہ میرے قدم پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ اور رسول الرحمۃ ہوں اور رسول التوبہ ہوں، اور رسول الملاحم (یعنی جہاد و غزوات کے رسول) اور مقفی کی میں سب کی پشت پر ہوں اور میں قثم ہوں یعنی کامل اور جامع۔ (واللہ اعلم) (ابو نعیم فی الدلائل النبوۃ من حدیث عائشہ r بزیادہ ونقصان ۱۲ تخریج، اپریل ۲۰۱۲ء، ص ۴۵)

☆☆☆

حضرت شیخ عبدالقدوس قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ کی نماز

اسلام میں نماز کی عظمت واہمیت اوراس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار واعتراف کے بعد نماز ہی کا نمبر ہے۔قرآن پاک میں بار بار نماز قائم کرنے کی ہدایت وتاکید فرمائی گئی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ. الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. (سورہ بقرہ)۱

س کتاب میں کوئی شک نہیں ہے، راہ بتاتی ہے اپنے پڑھنے والوں کو یعنی ان لوگوں کو جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کے راتہ میں خرچ کرتے ہیں، دیکھئے اللہ پاک نمازوں کو قائم کرنے کی تلقین وحکم فرما رہے ہیں اور انہی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں، نیز معلوم ہوا کہ جو نماز کا اہتمام نہیں کرتے نہ وہ ہدایت پر ہیں اور نہ فلاح یاب ہو سکتے ہیں۔

نیز فرمایا گیا: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ. ”اور قائم رکھو نماز، اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ“۔ (سورہ بقرہ:۴۳)

نیز فرمایا کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ. (سورہ بقرہ:۴۴-۴۵)

اور مدد چاہو صبر اور نماز سے، البتہ نماز بھاری ہے مگر خشوع وخضوع کرنے والوں پر بھاری نہیں ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی رب سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اس آیت سے بھی نماز کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ. (سورہ بقرہ:۱۱۰) اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ تم اپنی بھلائی کے واسطہ آگے بھیجو گے اللہ پاک کے یہاں اس کو پاؤ گے، بیشک باری تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں۔

نیز فرمایا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. (سورہ بقرہ:۱۵۳) اے ایمان والو اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں میں صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہا کرو، بیشک اللہ پاک صابرین کے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ . وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ. وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ. (سورہ مومنون:۱تا۶)

تحقیق کہ کامیاب ہوئے وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں اور بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت کرتے ہیں، اس آیت پاک سے بھی نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ

پڑھنے والے کی کامیابی اور کامرانی کو واضح فرمایا گیا ہے، اب ہم لوگ ہیں کہ نمازوں کے اندر خشوع و خضوع کے بغیر دنیا اور آخرت کی کامیابیاں چاہتے ہیں، نیز احادیث شریفہ میں نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے اور کہیں علامتِ اسلام فرمایا ہے اور کہیں اس کے ترک کو کفر کے مترادف قرار دیا ہے، الغرض وعدو وعیدات کا ایک عظیم دفتر ہے اور اہتمام والتزام اور شوق وذوق سے پڑھنے والوں کیلئے فضائل و بشارات کا بھی ایک ذخیرہ ہے، جس کا کچھ حصہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

نمازوں کو ضائع کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے

اور ایک جگہ پر حق تعالیٰ غصہ کے انداز میں فرماتے ہیں: فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا. (سورہ مریم:۵۹)

پھر پیدا ہوئے سلف کے بعد ایسے ناخلف کہ ضائع کر بیٹھے نمازوں کو اور پیچھے پڑ گئے غلط خواہشات کے، عنقریب ان کو ہلاکت میں جانا پڑے گا۔

نیز فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُوْنَ . وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. (سورہ ماعون:۴-۷)

سو خرابی اور ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بیخبر ہیں، جو نماز پڑھتے ہیں اور دکھلاوا کرتے ہیں، اور گھریلو برتنے کی چیزیں بھی کسی کو نہیں دیتے، یعنی وہ لوگ جو نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے، یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں لگ کر نماز کا اہتمام نہ کیا، کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں، کیا خدائے تعالیٰ ہمارے اٹھنے بیٹھنے، جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے، کیا ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا کہ ہم میں

کہاں تک اخلاص اور خشوع کا رنگ ہے؟ یہ سب صورتیں آیت میں داخل ہیں، نیز اس قدر بخیل ہیں کہ زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تو کیا معمولی برتنے کی چیزیں مثلاً دودھ، لسی، دیگچی، کلہاڑی اور گھر کے برتن بھی کسی کو نہیں دیتے۔

نماز میں کامل لذت

نیز نبی کریم ﷺ کا محبوب مشغلہ نماز ہی تھا، اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام واولیاء نے نماز سے خاص شغف وتعلق رکھا ہے اور یہ ان کی معراج ہے جس میں وہ مشغول رہتے ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ اولیاء اللہ کی نمازیں حق سبحانہ وتقدس کی تجلیات وانوار کے ظہور کا موقع ہوتی ہیں، رحمت الٰہیہ کا ان پر نزول ہوتا ہے، دراصل یہ سب اس عشق الٰہی کا کرشمہ ہوتا ہے، جو ان کے قلوب میں جاگزیں رہتا ہے، جس سے ہر چیز میں ان کو روحانی مزہ، ایمانی لذت، عرفانی حلاوت حاصل ہوتی ہے۔

لطائف قدوسی رص ۱۸، میں مرقوم ہے کہ سالہا سال تک حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے ایسی نماز ادا فرمائی جس میں کامل استغراق وانہماک تلاوت وتسبیحات میں زبردست قسم کی لذت حاصل ہوتی تھی، جس کی وجہ سے اللہ پاک کی معرفت ومحبت کا ایسا باب کھلتا تھا کہ ساری اشیاء کا وجود غائب ہو کر بس ایک حق جل مجدہ کا وجود باقی رہ جاتا تھا، اس وقت عالم بقاء کا مشاہدہ ہوتا تھا اور وصال حق کی لذت حاصل ہوتی تھی۔

شب کے اکثر اوقات نوافل میں گزارتے اور قرأتِ فاتحہ وضم سورۃ کے بعد شغل باطنی میں محو ہو جاتے اور ذکر خفی کا دوام رہتا تھا، دل سے اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتے تھے، قیام کے بعد رکوع وسجدہ وغیرہ میں تسبیحات سے فارغ ہو کر اسی طرح مشغول ہو جاتے تھے، بعض مرتبہ ساری ساری رات اسی انداز سے گزر جاتی، سچ ہے۔ ’’اَلسَّعِيْدُ مَنْ

سَعُدَ فِیُ بَطُنِ اُمِّہٖ‘‘ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ علاوہ سنن وفرائض کے رات دن میں بکثرت نوافل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان واقعات میں شیخ کے نام لینے والوں کے لئے بہت بڑا اسبق ہے اور ہمیں اپنے حالات پر غور وفکر کرنے کا سنہرا موقع ہے کہ ہمارے آباء واجداد کیا تھے اور ہم کیا کررہے ہیں، تہجد اور نوافل تو کیا ہم سے فرائض کی بھی ادائیگی نہیں ہورہی ہے۔ نہ ہمیں اس کے اہتمام کی کوئی فکر ہے۔ (ماہنامہ صدائے حق گنگوہ، مارچ، اپریل ۲۰۱۲ء، ص:۲۹)

☆☆☆

مشائخ سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: رذائل نفس کے سلسلے میں مشائخ نے لکھا ہے کہ جب ان کی اصلاح کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنی سب لغزشوں سے توبہ کرے اور سب سے پہلے خصوم کو (یعنی جن لوگوں کی حق تلفیاں کی ہیں) راضی کرے یعنی حقوق العباد میں سے جس کسی کا جانی، مالی یا عرضی حق آتا ہو تو اس کو ادا کرے اور سمجھ لے کہ جس شخص کے خصوم راضی نہیں وہ اس طریق میں کامیاب نہیں ہوسکتا پھر اس کے بعد علائق اور شواغل کو ترک کرے اس لئے کہ اس طریق کی بناء ہی فراغ قلب پر ہے۔ چنانچہ علائق میں سب سے پہلا درجہ مال کا ہے اس لئے کہ اس کی طلب، حرص اور طمع انسان کو خدا سے روکتی ہے۔ پھر مال کے بعد اس پر واجب ہے کہ جاہ سے نکلے۔ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ:

مُلاحَظَۃُ الْجَاہِ مَقْطَعَۃٌ عَظِیْمَۃٌ وَمَالَمْ یَسْتَوِ عِنْدَ الْمُرِیْدِ قُبُوْلُ الْخَلْقِ وَرَدُّھُمْ لا یَجِیُٔ مِنَا شَیٌٔ بَلْ اَضَرُّ الْاَشْیَاءِ لَہٗ مُلاحَظَۃُ النَّاسِ اِیَّاہُ بِعَیْنِ الْاِثْبَاتِ وَالتَّبَرُّکِ بِہٖ لِاِفْلاسِ النَّاسِ عَنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ وَھُوَ بَعْدُ لَمْ یُصَحِّحِ الْاِرَادَۃِ فَکَیْفَ یَصِّحُ اَنْ یُّتَبَرَّکَ بِہٖ فَخُرُوْجِھِمْ مِنَ الْجَاہِ وَاجِبٌ عَلَیْھِمْ لِاَنَّ ذَالِکَ سَمٌّ قَاتِلٌ .

(یعنی سالک کے اندر حب جاہ کا ہونا وصول کے لئے ایک بڑا مانع ہے اور جب تک مرید کی نظروں میں مخلوق کا ردوقبول دونوں برابر نہ ہوجائے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ مضر لوگوں کا اس کو اثبات اور تبرک کی نظر سے دیکھنا ہے اس لئے کہ لوگ تو ان باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس نے ابھی ارادت بھی صحیح نہیں کی پھر کیونکر (اس کو کامل سمجھا جائے اور) اس کو تبرک بنالیا جائے۔ لہٰذا جاہ سے نکلنا اس پر واجب ہے اس لئے کہ یہ سم قاتل ہے)۔ دیکھا آپ نے بزرگان دین کیا فرمارہے ہیں۔ آپ سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے پاس دین سیکھنے کے لئے تشریف لاتے ہیں تو میں تو آپ کا دین درست کروں اور آپ میرا دین خراب کریں یہ کیسا ہے؟ تو سن لیجئے کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے ہیں کہ آپ لوگ ہمیں تبرک بنالیں۔ خراب ہونے کے لئے تھوڑے ہی آئے ہیں۔ کام میں وقت کم خرچ ہوتا ہے فضولیات میں زیادہ ہوتا ہے۔

رسم پرستی اور تصنع پر نکیر

شاہ وصی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ میں وقت دوں گا مگر میرا کام مجھے کرنے دو لیکن لوگ سنتے ہی نہیں۔ اس زمانہ میں لوگوں کو ہدایت کرنا ان کو راستہ پر لگانا اتنا دشوار ہوگیا ہے کہ کچھ کہنے کو نہیں۔ حقیقت کی جگہ رسم نے لے لی ہے۔ اور تصنع اور بناوٹ کو لوگ حقیقت سمجھتے ہیں حالانکہ عقیدت اور محبت دل میں رکھنے کی چیزیں ہیں۔

مشائخ کیلئے انتہائی رنج وغم کی بات

ایک صاحب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے تھے جن کا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی پیچھے کھڑے رہنے سے نہیں سمجھوں گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا شبہ ہونے لگے۔

(یعنی یہ سمجھوں کہ یہ بدن پر گرنے والے لوگ ہیں اور خدا کے نہیں بلکہ پیر کی رضا انہیں مقصود ہے اور یہ سمجھوں کہ یہ لوگ ریاکار ہیں)۔

حکیم الامت کا معمول

لوگ کہتے ہیں کہ یہاں قیام کرلو، ہم قیام کریں یا قعود کریں، قیام تو طالبین میں ہوا کرتا ہے۔ جو طالب نہیں وہ کچھ بھی قابل رعایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ یَا دَاوُدُ اِذَا رَئَیْتَ لِیْ طَالِباً فَکُنْ لَہٗ خَادِماً یعنی اے داؤد جب تمہارے پاس کوئی میرا طالب آئے تو تم اس کے لئے خادم بن جانا۔ دیکھئے علماء یہ بھی تو لکھتے ہیں۔ اب یہ کہ آپ طالب ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ خود کرلیجئے۔ طالب ہی کے لئے عبس وتولی نازل ہوئی۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: عَبَسَ وَتَوَلّٰی. اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی . وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی . اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی . اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی . فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی . وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی . وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی . وَھُوَ یَخْشٰی . فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی . کَلَّا اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ . فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ. (سورہ عبس:۱تا۱۲) یعنی ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض روساء مشرکین کو سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا (یہ کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ بتلایا ہے ہمیں بھی سکھلایئے چونکہ ان کا یہ کہنا آپ کے اثناء کلام میں واقع ہوا تھا اس لئے) یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بجبیں ہوئے۔ جب اس مجلس سے اٹھ کر آپ گھر تشریف لے جانے لگے تو آثار وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ''پیغمبر چیں جبیں ہوگئے اور متوجہ نہیں ہوئے۔ اس بات سے کہ ان کے پاس

اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا تو جو شخص بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ اس کے نہ سنورنے کا آپ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص آپ کے پاس دین کے شوق میں دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خدا سے بھی ڈرتا ہے تو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہ کیجئے یہ قرآن نصیحت کی چیز ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے‘‘۔

عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پر رسول اکرم ﷺ کی عنایتیں

روایتوں میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد پھر جب کبھی وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آتے تو آپ ان کی بڑی خاطر کرتے۔ اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر ان کو بٹھاتے اور یہ فرماتے کہ انہیں کے بارے میں مجھ پر میرے رب نے عتاب فرمایا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سہ دری میں (جہاں حضرت کی مجلس ہوتی تھی) لوگ پہلے سے جا کر بیٹھ جاتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ ابھی مسجد ہی میں ظہر کے بعد کی سنتیں ہی پڑھتے ہوتے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے سلام کرتے اور آ کر مسند پر بیٹھ جاتے۔ یہ نہیں فرماتے تھے لوگ پہلے سے آ کر کیوں بیٹھ جاتے ہیں اس لئے کہ سمجھتے تھے کہ لوگوں میں طلب وشوق ہے۔ ان کے اس جذبہ کی رعایت فرماتے تھے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ حدود کے اندر رعایت ہم سے بھی کرا لیجئے۔

رسوم سے احتراز کی تاکید

حکیم الامت نے فرمایا: باقی پیر کے بدن پر گرنا اور اٹھنے بیٹھنے اور کہیں آنے جانے میں اس کا ناطقہ ہی بند کر دینا اس کو نا سمجھی سمجھتا ہوں عقیدت سے اس کا کوئی

تعلق نہیں۔ اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں اور بہت دنوں سے سمجھا رہا ہوں لیکن رسوم کا اسقدر غلبہ ہو گیا ہے کہ اب تک اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اب آپ خود سمجھئے کہ لوگ یہاں طالب خدا ہی بن کر آتے ہوں گے تو جس چیز کے لئے آپ لوگ آتے ہیں اگر اسی جانب متوجہ کروں تو کیا جرم ہے۔ کام اصول سے کرنا چاہتا ہوں۔ خوش کیجئے گا تو چلا بھی جاؤں گا تو آنے کا جی چاہے گا اور خلاف کیجئے گا تو جوتا پہنوں گا اور چل دوں گا اور آپ دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور ایسا کیا بھی ہے کہ اٹھا اور چل دیا۔ بچوں سے بھی نہیں پوچھا۔ اہل اللہ کا طور طریقہ اور ہوتا ہے اور مصنوعی لوگوں کا اور ہوتا ہے۔ طریقہ سے آیئے کام کیجئے جتنے اللہ والے بڑھ جائیں اور اچھا ہے۔ میں کہیں جاتا ہوں تو بہت سوچ سمجھ کر جاتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کہاں ٹھہروں گا۔

مشائخ بھی طالبین کو تلاش کرتے ہیں

طالبین کو تلاش کرتا ہوں، یہی نہیں ہے کہ طالب ہی شیخ کو تلاش کرتا ہے بلکہ مشائخ بھی سچے طالب کو ڈھونڈتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست   تا بجوشد آبت از بالا و پست
تشنگاں گر آب جویند وجہاں   آب ہم جوید بعالم تشنگاں

یعنی پانی کم تلاش کرو اس سے پہلے پیاس پیدا کرو (جب تمہارے اندر پوری پیاس پیدا ہو جائے گی) تو تم پانی کو اپنے اوپر اور نیچے سے جوش مارتا ہوا دیکھو گے۔ دنیا میں اگر پیاسے پانی کو تلاش کرتے ہیں تو یہ سمجھ لو کہ پانی بھی پیاسے کو ڈھونڈتا ہے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ پیر بھی طالب کو تلاش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فہیم سلیم عطا فرماویں اور اصول کے مطابق کام کرنے اور زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین!

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا جواب

ایک بار شاہ جہاں بادشاہ کے پاس مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک دیوار کے گرنے کے آثار معلوم ہوئے۔ مولانا یہ دیکھتے ہی فوراً ہٹ گئے اور شاہ جہاں اپنے شاہانہ وقار سے اٹھے۔ اس پر شاہ جہاں نے ان سے شکایت کی کہ آپ کو اپنی جان کی میری جان سے زیادہ فکر ہوئی۔ انہوں نے صاف کہا کہ واقعی میری جان تمہاری جان سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اگر میں نہ ہوں گا تو میرا کام کون کرے گا۔ اگر تم نہ ہوگے تو تمہارے بیٹے عالمگیر اور دارالشکوہ موجود ہیں وہ سلطنت کا کام سنبھال لیں گے۔

پھر فرمایا کہ اس کا بہت افسوس ہوتا ہے کہ اپنی جماعت میں افتراق پیدا ہو گیا ہے۔ اگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تو افتراق نہ ہوتا وہ جو فرماتے اسی پر سب کا اتفاق ہو جاتا۔ رہی یہ بات کہ وہ کیا فرماتے تو ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہ یوں کہتے کہ اپنا کام کرو، علماء کے لئے تو اس زمانہ میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بس مٹی کا مادھو بنا بیٹھا رہے۔ یہ محاورہ میں نے مولانا ہی سے سنا ہے علماء کی عزت جس کی ضرورت ابقاء دین کیلئے ہے گھر بیٹھنے ہی میں ہے۔ اب اس کو اگر کوئی کم ہمتی پر محمول کرے تو اس کو اختیار ہے میں اس میں نزاع نہیں کرتا۔ اچھا بھائی ہمت کرو۔ جب میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا تو اس زمانہ میں ایک متمول رئیس کانپور آئے۔ وہاں جتنے مدرسے تھے ان سب کے مہتمم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لے کر چندہ کی غرض سے ان رئیس کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہونچے۔ مجھ سے بھی کہا گیا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں تو اپنے مدرسہ سے ایک چڑیا کے بچہ کو بھی نہ جانے دوں گا۔

میرے نزدیک مال سے زیادہ علم کی عزت ہے اور اس صورت میں عزت یقیناً برباد ہوگی۔ اور مال کا ملنا محض متحمل ہے ممکن ہے کہ مل جائے اور ممکن ہے کہ نہ ملے۔ اور دوسری صورت میں عزت تو یقیناً محفوظ ہے۔ چاہے مال ملے چاہے نہ ملے۔ غرض میں نے اپنے مدرسہ میں سے کسی کو نہیں جانے دیا دوسرے مدرسہ والے لے گئے اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں لیکن انہوں نے سب کی درخواستیں سن کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہے اور اس کا کوئی ذمہ دار نہیں اس کے لئے میں دوسو روپیہ سال مقرر کرتا ہوں۔ (وصیۃ العرفان شمارہ اپریل ۲۰۱۰ء)

☆☆☆

صحبت اولیاء کی تاثیر

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ بزرگان دیوبند کے قافلہ سالار ہیں۔ آپ کی زندگی اتباع سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ دہلی میں مولانا مملوک علی اور شاہ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم حاصل کرنے کے بعد آپ ایک مرتبہ مولانا شیخ محمد تھانوی سے مناظرہ کیلئے تھانہ بھون تشریف لے گئے وہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ سے ملاقات ہوگئی، جس کے نتیجے میں مناظرہ تو دھرا ہی رہ گیا، آپ اسی ملاقات میں حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوگئے اور ۴۲ دن وہیں خانقاہ میں مقیم رہے۔ صرف ایک جوڑا بدن پر رہ گیا تھا، اسی کو دھوتے اور دوبارہ پہن لیتے۔ بیالیس دن کے بعد جب وہاں سے روانہ ہوئے حضرت حاجی صاحب نے خلاف عطا کی اور فرمایا: ''میاں مولوی رشید جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی''۔

گنگوہ پہنچ کر مدتوں استغراق کا عالم طاری رہا۔ کسی نے صرف حاجی صاحب سے شکایت کی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میاں غنیمت جانو کہ وہ آبادی میں ہیں۔ ان پر جو عالم گزر رہا ہے، اگر حق تعالیٰ کو ان سے اصلاح خلق کا کام لینا نہ ہوتا تو خدا جانے کس پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھے ہوتے''۔ ایک مرتبہ خود حضرت حاجی صاحب

نے خط لکھ کر حال دریافت فرمایا۔ اسکے جواب میں آپ نے جو حالات بیان کئے ان سے آپکے مقام کا کچھ انداز ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ ''شریعت طبیعت بن گئی ہے، مدح وذم یکساں معلوم ہوتی ہے اور کسی مسئلہ شرعی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا''۔ یہ خط جب حضرت حاجی صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر! ہمیں تو اب تک یہ حالات حاصل نہیں ہو سکے''۔

صحبت از علم کتابی خوشتر است
صحبت مردان حُر ''آدم گر'' است

''بزرگوں کی صحبت کتابی علم سے بدرجہا زیادہ نفع بخش ہے اس لئے کہ یہ حقیقت بھی ثابت ہے کہ ''مردان حُر'' (اہل اللہ) کی صحبت ہی مرد کامل بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے''۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''اولیاء کی ایک لمحہ کی صحبت سو سال ۱۰۰ر تک کی گئی خالص عبادت سے (ایسی طاعت وفرمان برداری سے جس میں خودنمائی کا شائبہ تک نہ ہو) بہتر اور افضل ہے''۔

اگر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے
بندۂ اعیان بخارا خواجہ نسّاج را

''(اگر علم حال (علم طریقت) علم قال (علوم ظاہری) پر فوقیت نہ رکھتا تو یہ بات سک طرح ممکن تھی کہ (دارالاسلام) بخارا کے طبقۂ اولیٰ کے افراد خواجہ نسّاج کے غلام بن جاتے''۔

☆☆☆

عشقِ خداوندی

شیخ بدرالدین اسحاق اس قدر سریع البکاء (کثرت سے رونے والے) تھے کہ آپ کی آنکھیں کبھی آنسوؤں سے خالی نہ ہوتی تھی۔

اے زعشقت خانۂ عقلم خراب
مردم چشمم زگریہ غرق آب

اے میرے محبوب! آپکے عشق نے میری عقل کا خانہ خراب کردیا ہے اور میری آنکھ کی پتلی آنسوؤں کے سیلاب میں غرق ہوگئی ہے۔ (مردم چشم آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں)

کبھی کبھی آپ اشعار پڑھتے پڑھتے بے خود ہوجاتے اور کسی اور عالم میں کھو جاتے، کبھی کبھی تو سارا دن شعر کے ذوق کی وجہ سے عالم تحیر میں رہتے۔ اس استغراق کے باوجود آپ پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنے مرشد کامل کی اتنی زیادہ خدمت کرتے جو دس خدام کی خدمت کے برابر ہوتی۔ جب تک حضرت گنج شکر قید حیات میں رہے آپ نے کسی اور سے خدمت نہ لی۔

حضرت شیخ کے وصال کے بعد شیخ بدرالدین بن سلیمان اپنے والد بزرگوار کی مسند پر متمکن ہوئے تو شیخ بدرالدین اسحاق نے دستور کے مطابق ان کی بھی کئی سال

خدمت کی لیکن آخر وقت میں استغراق کا آپ پر غلبہ ہوگیا، اس لئے آپ نے تنہائی اختیار کرلی اور کسب کمال میں مشغول ہوگئے حتی کہ اس جہان سے رخصت ہوگئے۔

آپ کی وفات کے بعد سلطان المشائخ نے سید محمد کرمانی کو اجودھن بھیج کر ان کے بال بچوں کو دہلی منگوالیا، آپ کے دونوں لڑکوں یعنی خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کو قسم قسم کی نوازشات سے سرفراز کیا اور ان کی تربیت فرمائی۔ چنانچہ ان بچوں کی اولاد سلطان المشائخ کے مزار مبارک کی خدمت پر متعین ہوئے۔

شیخ بدرالدین اسحاق کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے صبح کی نماز ادا کرکے پوچھا کہ اشراق کا وقت ہوگیا ہے؟ اشراق ادا کرکے آپ نے چاشت کے وقت نماز چاشت ادا کی اور سر سجدے میں رکھ کر جان مشاہدہ حق میں تسلیم کردی۔

(مراۃ الاسرار، صفحات: ۸۰۰-۸۰۳)

صوفیاء کرام کے ملفوظات میں مذکور چند قابل توجہ نکتے

خواجہ مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷ھ/۱۳۰ھ فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں کہ نہ کسی فرشتے نہ کسی انسان (دیگر انبیاء کی امتوں کو) عطا کی ہیں:

ایک یہ ہے: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرتا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم مجھے یاد کرتے ہو تو میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔

دوسری نعمت: اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ: جب مجھ سے دعاء کرتے ہو تو قبول کرتا ہوں۔

خواجہ ابو محمد حریری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۱۲ھ) فرماتے ہیں: جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے تو وہ ہرگز نہیں مرتا اور تا ابد زندہ رہتا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی طرف

نظر کی حق کو حق سے دیکھا اور حق کے ساتھ باقی ہو گئے ، بلا قید مکان و زمان و بہ اوصاف حق تعالیٰ مجرد ہو گئے ۔

اسم گرامی احمد حسین ، دوسری روایت کے مطابق حسین بن محمد اور تیسری روایت کے مطاب عبد اللہ بن یحیٰ ہے ۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے تھے اور ان کے بعد ان کی مسند پر آپ کو بٹھایا گیا۔ شیخ کامل نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی فرما دیا تھا کہ یہ زمانہ کے ولی ہیں ، صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ خواجہ سہیل عبد اللہ تستری کے مصاحب تھے اور ان کے ساتھ قرامطہ کی جنگ میں شدت پیاس سے جان دیدی۔ ایک دن آپ وعظ کر رہے تھے ۔ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا: میرا دل بیٹھا جا رہا ہے ، دعاء فرمائیں ٹھیک ہو جائے ۔ فرمایا: ہم بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں ۔

خواجہ عبد اللہ بن محمد منازل فرماتے ہیں: جو شخص اس کام میں (طریقت میں) زور سے آتا ہے نتیجہ تکبر ہوتا ہے اور جو ضعف سے آتا ہے قوی ہو جاتا ہے ۔ یعنی آدمی کو چاہئے کہ نیاز اور ارادت سے اس کام میں داخل ہو نہ کہ دعویٰ قوت اور زعم سے ۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: اگر ساری عمر میں ایک لحظہ ریا و شرک سے بندہ پاک رہ سکے تو اس کی برکات آخر عمر میں اس کے اندر سرایت کریں گی ۔

آپ کی کنیت ابو محمد ہے ۔ طبقہ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں ۔ آپ مشائخ نیشاپور میں سے تھے اور یگانہ روزگار تھے ۔ آپ بڑے متوکل تھے اور دنیا اور اہل دنیا سے بیزار تھے ۔ آپ خواجہ حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے ۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے ۔ خواجہ احمد اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواب میں مجھے ہاتف نے آواز دی کہ عبد اللہ بن محمد منازل سے کہہ دو کہ تیار ہو جاؤ ۔ ایک سال کے اندر تمہاری وفات ہو گی ۔ میں نے جا کر ان سے یہ بات کہی ۔ فرمایا: بڑا لمبا وعدہ ہے اور ابھی کافی مدت

باقی ہے ۔ ابھی سال بھر انتظار کرنا ہے ۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو علی ثقفی نے عبد اللہ بن محمد منازل سے کہا کہ موت کے لئے تیار ہو کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ۔ آپ نے اپنا بازو لمبا کیا اور اس پر سر رکھ کر سو گئے اور فرمایا کہ اب میں مرتا ہوں اور اسی وقت جان بحق ہو گئے ۔ (مراۃ الاسرار، صفحات: ۳۸۹ تا ۳۹۶ سے اقتباسات)

شیخ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت رابعہ بصری متوفی ۱۳۵ھ کا ذکر مردوں کی صف میں کیا ہے اور اس کی متعدد وجوہات پر روشنی ڈالی ہے مثلاً ایک وجہ یہ کہ حضرت خواجہ حسن بصری کی مجلس وعظ میں جب تک حضرت رابعہ بصری نہ جاتیں آپ تقریر شروع نہ کرتے ۔ شیخ فرید الدین نے عطار نے اس حقیقت کی بھی نشاندہی کی ہے کہ طبقہ صوفیاء کلی طور پر توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں جہاں نہ من و تو اور نہ مرد و زن کا دخل ہے ۔

حضرت رابعہ بصری معرفت و توحید میں یگانہ روزگار تھیں اور بزرگان وقت کے لئے معتبر اور حجت قاطع تھیں ۔ نقل ہے کہ خواجہ حسن بصری ہفتے میں ایک بار مجلس میں وعظ فرمایا کرتے تھے ۔ منبر پر چڑھ کر دیکھ لیتے کہ حضرت رابعہ بصری موجود ہیں کہ نہیں ۔ کسی نے عرض کیا: آپ کی مجلس میں اتنے عالی قدر بزرگ موجود ہیں ، اگر ایک خاتون نہ آئیں تو کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ غذا جو ہم نے ہاتھوں کے لئے تیار کی ہے کس طرح چیونٹیوں کے منہ میں ڈال سکتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ جب مجلس گرم ہو جاتی تھی اور لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تو آپ حضرت رابعہ بصری کی طرف دیکھ کر فرماتے کہ یہ سب گرمی تمہاری ایک آہ جگر سوز کی بدولت ہے ۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اپنی مجلس میں لوگوں کا انبوہ دیکھ کر آپ خوش تو ہوتے ہوں گے ۔ آپ نے فرمایا کہ میں لوگوں کی کثرت سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اہل دل درویش کی موجودگی سے خوش ہوتا ہوں ۔

ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری نے حضرت رابعہ بصری سے پوچھا: آپ شادی کیوں نہیں کرتیں؟ آپ نے جواب دیا کہ عقد نکاح وجود پر ہوتا ہے یہاں وجود ہی کہاں ہے، میں خود نہیں ہوں بلکہ اس کا سایہ ہوں، سایہ کے لئے جو حکم ہو وہی کرنا چاہیئے۔ (یعنی سایہ کو جدھر نقل وحرکت کی ہدایت (Direction) ملے اس کو اسی طرح کرنا چاہیئے) انہوں نے پوچھا: رابعہ! تو نے یہ مرتبہ کیسے پایا؟ آپ نے جواب دیا: اس وجہ سے کہ میں نے اپنے تمام مقاصد کو ختم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ حق تعالیٰ کو دوست رکھتی ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا شیطان کو دشمن رکھتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: رحمٰن کی دوستی میں اس اس قدر مستغرق ہوں کہ شیطان کی دشمنی کی مجھے خبر نہیں۔

خواجہ ابوبکر بن طاہر ابہری متوفی ۳۳۰ھ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگان ظاہراً قرب میں ہوتے ہیں اور دعویٰ محبت کرتے ہیں اور بعض ظاہراً دور ہوتے ہیں لیکن وہ قرب سے زیادہ مقرب ہوتے ہیں، پس ان کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو حضرات حریم دوست سے اتصال کے باعث قرب میں ہوتے ہیں ان کا شوق کم ہوجاتا ہے اور جو لوگ ظاہراً دور ہیں لیکن باطن میں قریب ہیں ان کا شوق ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی حرم سے دور اپنے وطن میں مقیم ہے لیکن باطن میں وہ اس حریم کو دیکھ رہا ہے تو اس شخص سے بہت بہتر ہے جو حرم کے قریب ہے اور اس کا دل کسی دوسری طرف۔

اسم گرامی عبداللہ بن طاہر بن حارث الطاقی ہے۔ آپ جو تھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ایک باورع عالم تھے۔ آپ خواجہ شبلی کے ہم عصر اور یوسف بن حسین کے صحبت یافتہ تھے۔ شیخ مبلب بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے

مشائخ کی صحبت اختیار کی لیکن مجھے اس قدر نفع کہیں سے نہ ہوا جس قدر خواجہ ابوبکر بن طاہر ابہری سے ہوا۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں: جب ایک درویش صدق وصفا کے ساتھ دوسرے درویش کو کوئی چیز دیتا ہے تو درویشی کا دستور یہ ہے کہ وہ درویش بھی اخلاقاً حتی الوسع خدمت کرتا ہے۔[۲]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صاحب دل درویش نے آکر جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ وہ بھوکے تھے۔ خواجہ گنج شکر نے فراست باطنی سے معلوم کرلیا۔ آپ فوراً گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں تھوڑی سی جوار کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے چکی پر بیٹھ کر اپنے دست مبارک سے آٹا پیسا اور روٹی پکا کر ان کے سامنے لے آئے۔ درویش نے کہا۔ یہ جو گھر میں اس کے سوا کچھ نہ تھا اور جس طرح آپ نے آٹا پیسا اور روٹی پکائی میں دیکھ رہات ھا۔ اب آپ جو چاہیں طلب کریں۔ آپ نے اپن دل کی مراد طلب کی اور حق تعالیٰ کی عنایت اور اس درویش کامل کی برکت سے وہ مراد پوری ہوئی۔ سلطان المشائخ اکثر فرمایا کرتے تھے وہ مراد فتح یاب (دروازے کا کھلنا) تھا جو حضرت گنج شکر کو بہت تحمل، مشقت اور تکلیف کے بعد حاصل ہوا۔ (مراۃ الاسرار، ص:۶۶۷)

دل کی سرد پڑی انگیٹھیوں کو از سرِ نو گرم کرنے کا نسخہ

"یوں تو اس دنیا میں خدا کا دیا سب کچھ ہے لیکن اگر اس بھرے بازار میں ایک درد محبت ہی کی دکان نہیں ہے جہاں سے قلب کی حرارت اور عشق کی دولت بھی مل سکتی ہے تو پھر دنیا ایک قمار خانہ اور سود وسودا اور مکر وفن ہے اور اس میں وہی کامیاب ہوگا جو اس فن میں طاق ہوگا۔

اس زندگی کی آبرو اور باغ ہستی کی ساری بہار اور سارا وقار اور اس دنیا کا سارا ہنگامۂ وجود اسی دردِ محبت کے دم سے ہے، اس کے بغیر یہ محفل اور یہ گھر بے داغ ہے۔ خرمن کائنات میں یہی ایک کام کا دانہ ہے اگر یہ نہیں تو باقی سب خس وخاشاک ہے''۔ (ماخوذ از مقدمہ تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیh مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویh)

☆☆☆

علمائے دین کی حاضری خانقاہوں میں

ڈاکٹر سید حسین رضی الباری علیگ، سہ ماہی تزکیہ نفوش (منگراواں اعظم گڑھ) میں لکھتے ہیں کہ:

''اس عاجز کی زندگی میں ایک مختصر سا عرصہ ایسا بھی گزرا ہے جب دل میں تصوف اور اہل تصوف کے بارے میں کچھ اسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے جو ہمارے اس زمانہ کے بہت سے لکھے پڑھوں میں پیدا ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فضل رہا کہ اس سلسلہ کے جن اکابر اور صاحب ارشاد مشائخ سے میں واقف تھا (اپنے خیال میں ان کو ایک علمی اور اجتہادی غلطی میں مبتلا سمجھنے کے باوجود) دل سے ان کا ادب کرتا تھا اور ان کو اپنے جیسوں سے ہزاروں درجہ بہتر اللہ کا مخلص ومقبول بندہ جانتا تھا۔ اپنے اسی حال اور اسی دور میں ۱۹۴۲ء میں سخت بیمار پڑا، پھر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور صحت ہوگئی، لیکن اس بیماری کا پیدا کیا ہوا غیر معمولی ضعف بہت دنوں تک باقی رہا۔ میرے معالجین نے مجھے مشورہ دیا کہ کچھ دن میں کسی ایسی جگہ قیام کروں جہاں کی آب وہوا بھی صحت بخش ہو اور مجھے زیادہ سے زیادہ آرام اور سکون مل سکتا ہو، میں ۱۹۳۹ء میں رائے پور کی خانقاہ ایک دفعہ دیکھ چکا تھا۔ مجھے یہ جگہ سکون

اورآب وہوا کے لحاظ سے بہت پسند آئی تھی۔اس وقت صرف ایک دن اور دو رات قیام رہا تھا اور اگر چہ خانقاہی مشاغل سے اپنی طبیعت کو اس وقت بھی کوئی خاص مناسبت نہیں تھی ، لیکن صاحب خانقاہ (قدس سرہ) کی عنایت وشفقت اور مزاجی وفکری مناسبت نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا......معالجین کے مشورہ کے مطابق جب میں نے کہیں جانے کے بارے میں سوچا تو رائے پور کی خانقاہ ہی کا فیصلہ کیا اور چلا گیا، وہاں پہنچ کر مخصوص خانقاہی مشاغل دیکھ دیکھ کے دل میں اعتراضات اور سوالات ابھر نے شروع ہوئے ، پہلے ان کو دبا کر خاموش رہنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا اور موقع پا کر حضرت ممدوح کی خدمت میں عرض کر دیا ، یقین تھا کہ حضرت میرے سوالات اور اشکالات کا جواب دے کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش ضرور فرمائیں گے۔ (مجھے یہ بات اس وقت بھی معلوم تھی کہ حضرت صرف صاحب خانقاہ درویش اور عارف ہی نہیں ہیں بلکہ عالم فاضل بھی ہیں اور ایک مدت تک درس وتدریس کا مشغلہ بھی رہا) لیکن حضرت نے ایک لفظ بھی اس سلسلہ میں نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس اعتراف وانکسار اور پسپائی وخودشکنی کا ایسا رویہ اختیار فرمایا کہ اگر اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہوتو میں اس جاہلانہ زعم میں مبتلا ہوسکتا تھا کہ حضرت بھی میرے اشکالات کا جواب نہ دے سکے...... میں نے دو نشستوں میں دو دفعہ حضرت کے سامنے اپنے اشکالات عرض کئے اور حضرت نے دونوں دفعہ یہی رویہ اختیار فرمایا اور جواب اور دفاع میں ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔میرے لئے حضرت کا یہ رویہ اتنا حیرت انگیز تھا کہ میں اس کی وجہ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔جب میں نے اس بارے میں غور کیا اور خود اپنے باطن کا جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ میری اس گفتگو کا محرک مخلصانہ طلب نہیں ہے بلکہ میری حیثیت ایک ''مدعی'' اور ''معترض'' کی ہے اور یہ حضرت کی بلند مقامی ہے کہ بجائے یہ فرمانے کے کہ معترضوں اور مدعیوں کو جواب دینا ہمارا طریقہ نہیں ہے

خودشکنی اور پسپائی کا یہ طریقہ اختیار فرما رہے ہیں۔اس کے بعد حق کے ایک طالب اور جویا کی حیثیت سے میں نے خود بھی اشکالات پر غور کرنا شروع کیا اور اپنی نیت درست کر کے حضرت سے پھر ایک صحبت میں عرض کیا۔اس دفعہ حضرت نے وہ رویہ اختیار نہیں فرمایا بلکہ تصوف کے مقصد اور مشاغل ووسائل اذکار واشغال وغیرہ کا تجزیہ فرما کر ایسی محققانہ تقریر فرمائی جس سے اپنے اشکالات وسوالات کی غلطی کی بنیاد خود مجھ پر منکشف ہوگئی اور معلوم ہوا کہ سارے اشکالات ہی نافہمی اور کم عقلی سے پیدا ہو رہے تھے۔اب جس کا جی چاہے اس کو حضرت کی حکمت اور فن اصلاح کا کمال سمجھے اور جس کا جی چاہے باطنی تصرف سے اس کی توجیہ کرے......بہرحال وہی دن میری زندگی کے موڑ کا دن تھا''۔

''دسمبر ۱۹۳۹ء میں ایک نیم سیاسی اور نیم دینی مقصد کے لئے تین ہم خیال دوستوں نے ایک سفر شروع کیا۔میرے ہم سفر میرے دو رفقاء مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حاجی عبدالواحد صاحب ایم اے تھے۔اس سفر ہی میں ہم تینوں پہلی مرتبہ رائے پور کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔میں اگر چہ رائے پور پہلی دفعہ اس سفر ہی میں حاضر ہوا تھا لیکن اپنے بعض سفروں میں حضرت اقدس سرہ کی زیارت بعض دوسرے مقامات پر اس سے پہلے بھی کر چکا تھا اور اپنے محترم اور کرم فرما مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے حضرت کے بارے میں بہت کچھ سنے ہوئے تھا، اس لئے حضرت سے اچھی خاصی واقفیت اور عقیدت تھی اور چونکہ ''الفرقان'' شروع ہی سے حضرت کی خدمت میں جاتا تھا اور حضرت اس کو دلچسپی سے ملاحظہ فرماتے تھے۔اس لئے حضرت بھی اس عاجز سے کچھ واقف تھے، لیکن ہمارے ان دونوں رفیقوں کی حضرت کی خدمت میں بھی پہلی ہی حاضری تھی اور یہ حضرت سے واقف بھی نہیں تھے۔اس لئے اس سفر کے پروگرام میں رائے پور میری ہی تحریک سے شامل کیا گیا تھا۔

ہمارے اس چھوٹے سے سہ نفری قافلہ کا قیام رائے پور کی خانقاہ میں صرف دو راتیں اور ایک دن رہا، اس تھوڑے سے وقت میں ہم نے حضرت کو جو کچھ جانا اور سمجھا (جو دراصل بہت ہی ناقص جاننا تھا) اس سے ہم تینوں کے دل میں حضرت کی محبت کا بیج پڑ گیا۔ جو حسب استعداد نشو و نما پاتا رہا۔ یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ ہم لوگوں نے یہ سفر ایک نیم سیاسی دینی مقصد سے کیا تھا، اس سفر کا کوئی تعلق اس مقصد سے نہیں تھا، جس کے لئے عام طور پر خانقاہوں میں اور صاحب ارشاد مشائخ کی خدمت میں اللہ کے بندے حاضر ہوتے ہیں......لیکن بالآخر اسی سفر کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ ہم تینوں نے الگ الگ اپنے اپنے مقدر وقت پر حضرت ہی کی حلقہ بگوشی کا فیصلہ کیا''۔

(مندرجہ بالا دو اقتباسات مشہور عالم دین مولانا محمد منظور نعمانی کی نگارش قلم کا نمونہ ہیں۔ حوالہ صفحات ۱۴ تا ۱۶، ۲۱ تا ۲۲، از مقدمہ ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری'' از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مطبوعہ مکتبۂ اسلام، ۱۷۲/۵۴، محمد علی لینے، گوئن روڈ لکھنو)

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی تاریخ ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء ہے اس حساب سے مذکورہ بالا ۳ نامور رفقاء کو اپنے شیخ کامل کی صحبت اور اکتساب علوم معرفت کے مواقع کم و بیش ۲۰ برس تک حاصل رہے۔

حضرت مولانا کا موروثی وطن پچھمی پنجاب تھا آپ کے آباء واجداد نے کئی جگہوں سے نقل مکانی کے بعد بالآخر ڈھڈیاں، ضلع سرگودھا صوبہ پنجاب میں سکونت اختیار کی۔ اسی گاؤں کو حضرت کا مولد اور وطن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ وفات لاہور میں ہوئی لیکن ڈھڈیال ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی ولادت ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء کے بعد ہی ہوئی ہے۔ اس حساب سے عمر شریف کم و بیش ۸۹ برس ہوتی ہے.....آپ کے عالی مرتبت پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب رائے پوری کی وفات ۲۲/ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹/جنوری ۱۹۰۹ء ہے۔ وطن اور مدفن دونوں رائے پور نزد سہارن پور صوبہ اتر پردیش ہے۔ دونوں بزرگوں کی زندگی کا زیادہ تر حصہ رائے پور میں ہی بسر ہوا۔ (ماخوذ تنزکیہ نفوش منگراواں، اعظم گڑھ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے چند جملے

- جو آخرت کا متلاشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی امور کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔
- اپنے اندرونی معاملات کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری معاملات کی اصلاح فرما دے گا۔
- یہ امت اپنے پروردگار کے معاملہ میں کبھی اختلاف کا شکار رہی، نہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور نہ اپنی کتاب (قرآن کریم) کے بارے میں۔ بلکہ اس امت کا اختلاف درہم و دینار میں ہوا۔

☆☆☆

باپ اور بیٹا
دونوں آیاتِ قرآنی کے اثر سے مر مٹے

نفحات الانس (مولفہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) میں مذکور ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض کا ایک لڑکا تھا جو زہد وعبادت اور خوف خدا میں بے مثال تھا۔ایک دن مسجد حرام میں چاہ زمزم کے قریب کسی نے یہ آیت پڑھی یَوْمُ الْقِیَامَۃِ تَرَی الْمُجْرِمِیْنَ...... (قیامت کے دن مجرم لوگ دیکھیں گے کہ......) یہ سنتے ہی اس نے ایک آہ نکالی اور جان بحق ہوگیا۔حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: جو عشقِ الٰہی میں جان دے اسے اسی طرح جان دینی چاہیئے کہ ایک اشارہ میں جان حق کے سپرد کردی......حضرت فضیل بن عیاض کو تیس سال تک کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا سوائے اس دن کہ جب آپ کے لڑکے نے انتقال کیا۔اس دن آپ نے تبسم فرمایا: لوگوں نے پوچھا اے خواجہ! یہ ہنسنے کا کیا مقام ہے؟ فرمایا: اس کی موت پر خدا تعالیٰ راضی تھا۔میں بھی اس کی رضا کی موافقت میں خوش ہوا۔

یہ تھا سعادت مند بیٹے کی موت کا منظر اور اس پر مقبول بارگاہ باپ کا تبصرہ۔
اب درج ذیل سطور میں نامور باپ کے وصال کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔یہ عجیب

اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی موت مکہ معظّمہ میں واقعہ ہوئی اور آیات قرآنی سن کر اچانک ایک پل میں۔

حضرت فضیل بن عیاض کی وفات محرم ۱۸۷ھ میں اس طرح واقعی ہوئی کہ کسی شخص نے سورہ القاریہ پڑھی۔آپ نے ایک نعرہ لگایا اور جاں بحق ہوگئے۔

الغرض آیات قرآنی کی ہیبت اور تاثر سے جو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور ڈر ہی سے پیدا ہوسکتی ہے دونوں عظیم المرتبت باپ بیٹے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔اس طرح کی موت جو خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے ہماری عبرت وموعظت کے لئے کافی ہے۔(مراۃ الاسرار،ص:۲۶۴)

”جس انسان کے گفتار اور کردار میں تضاد ہو وہ صاحب ایمان نہیں ہوسکتا۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(گفتار اور کردار میں مطابقت (ہم آہنگی، یکسانیت) کسی بھی مسلمان کے ایمان کی کسوٹی ہے)

☆☆☆

صدقہ کی فضیلت

۲۰ برس پہلے کی بات ہے۔ میں ان دنوں کیپٹن تھا اور گوجرانوالہ چھاؤنی میں تعینات۔ گوجرانوالہ کے رجسٹریشن آفس میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ عمران کی ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔ سفید لمبی داڑھی اور نورانی چہرہ۔ ملاقات کا سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ باتوں باتوں میں انہوں نے ایک دن ذکر کیا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے خضر کو دیکھا ہے۔ رجسٹریشن آفس والے صاحب ایک دن مجھے سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ لے گئے جہاں انہوں نے میری ملاقات مذکورہ شخص چودھری اسلم صاحب سے کرائی۔ وہ ساٹھ پینسٹھ کے پیٹے میں تھے۔ میرے استفسار پر کہنے لگے: میں گوجرانوالہ کا رہنے والا ہوں۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ میری عمر تقریباً ۲۵ سال تھی اور میں ریلوے میں نائب گارڈ تھا۔ مہینے کی پہلی تاریخ تھی۔ مجھے کوئی چالیس پچاس روپئے تنخواہ ملی جوان دنوں کے حساب سے ایک خزانہ تھی۔ میں نے ریلوے اسٹیشن سے دوروپے میں آموں کی دو پیٹیاں لیں اور گاڑی میں سوار ہوگیا۔ ریلوے کا ملازم ہونے کے ناطے مجھے الگ برتھ مل گئی۔ گاڑی راولپنڈی کی طرف چل پڑی۔ گوجرانوالہ اسٹیشن سے ذرا پہلے اس ڈبہ میں ایک بھکارن

چڑھ آئی۔ وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ کئی لوگ اس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھتے اور بھیک دیتے۔ جو بھیک نہ دیتا وہ کوئی نہ کوئی آواز ضرور کس دیتا۔ وہ خاموشی سے بھیک مانگتی رہی۔ اس کی اس حالت پر مجھے بہت دکھ ہوا۔ جب وہ میرے قریب آئی تو میں نے اس سے کہا کہ لوگ تمہیں کتنی بری بری باتیں کہتے ہیں۔ تم یہ کام چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔ کہنے لگی: مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، کچھ دینا ہے تو دو ورنہ چپ رہو۔ میں نے اسے ایک آنہ دیتے ہوئے پوچھا کہ دن بھر میں کتنے پیسے کما لیتی ہو۔ کہنے لگی: جب بارہ آنے ہو جاتے ہیں تو میں بھیک مانگنا بند کر دیتی ہوں اور گھر چلی جاتی ہوں۔ میں نے اسے ایک روپیہ نکال کر دیا اور کہا کہ بہن! اگر برا نہ مانو تو سامنے سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ وہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارا آج کا ٹارگٹ پورا ہوگیا، اب بتاؤ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ کہنے لگی: میرا میاں راج مستری تھا اور دو بچے ہیں۔ چھت گرنے سے میرے میاں کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ بیکار ہوگیا ہے۔ چونکہ زندگی گزارنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں، اس لئے مجھے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔ دوآنے میں میرے میاں کی دوا آتی ہے اور باقی پیسوں سے گھر چلتا ہے۔ میں نے یہ بات سن کر اسے ایک روپیہ اور نکال کر دیا۔ گوجرانوالہ پہنچنے پر وہ گاڑی سے اتر گئی۔

ان دنوں دو روپئے اچھی خاصی رقم تھی۔ مجھے تجسس ہوا کہ یہ عورت سچ کہہ رہی تھی یا جھوٹ۔ میں نے آموں کی پیٹیاں اتروا کر کسی کے حوالے کیں اور خود اس عورت کا پیچھا کرنے لگا۔ کئی گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ ایک گھر میں داخل ہوگئی۔ اندر سے کسی نے آواز دی۔ آج جلدی آگئی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ کا ایک بندہ مل گیا تھا۔ اس نے اتنی رقم دیدی کہ گھر آگئی۔ بچوں کی آوازیں بھی آئیں جس سے میری تسلی ہوگئی میں واپس آکر اگلی گاڑی پر سوار ہوگیا۔ ان دنوں گاڑیاں بھی کم ہوتی تھیں اور ان کی رفتار بھی کم۔ جب گاڑی گوجرخان کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو رات

کے تقریباً گیارہ بجے تھے۔ ان دنوں گوجرخان کے ریلوے اسٹیشن پر بجلی نہیں تھی۔ پورے پلیٹ فارم پر مٹی کے تل کا ایک ہی لیمپ جل رہا تھا۔ اس کے نیچے ایک آدمی کھڑا تھا وہ ہر لحاظ سے ایک خوبصورت جوان تھا اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے آواز دی۔ چودھری صاحب بڑی دیر کر دی ہے۔ میں تو اسے نہیں پہچانتا تھا لیکن میں نے سوچا کہ شاید وہ مجھے پہچانتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک ٹانگہ لے آؤ، مجھے گاؤں جانا ہے۔ کہنے لگا: چودھری صاحب! اس وقت ٹانگہ کہاں سے ملے گا۔ میرا گاؤں بھی آپ کے گاؤں کی طرف ہے۔ آیئے آپ کو آپ کے گاؤں چھوڑ دوں۔ اس نے آموں کی دونوں پیٹیاں اٹھالیں۔

رات گھپ اندھیری تھی آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے وہ چل پڑا۔ چند سو گز جانے پر مجھے احساس ہوا کہ میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ یہ ایک ہٹا کٹا جوان ہے۔ میرے پاس اچھی خاصی رقم ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے مار کر رقم ہتھیا لے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ شخص مجھے کہنے لگا کہ ''چودھری صاحب! مجھے آپ کو گھر تک بہ حفاظت پہنچانے کی ذمہ داری ملی ہے''۔ میں چپکے سے چل پڑا۔ اونچے اونچے راستوں پر چلتے ہوئے مجھے کئی بار یہی خیال آیا اور جب بھی یہ خیال میرے ذہن میں آتا وہ شخص کہتا کہ ''چودھری صاحب! مجھے آپ کو گھر تک بہ حفاظت پہنچانے کی ذمہ داری ملی ہے''۔

ہم راستے میں ہی تھے کہ چاند نکل آیا۔ اللہ اللہ کر کے ہم گھر کے پاس پہنچ گئے۔ حویلی کے قریب اس نے پیٹیاں اتار کر رکھ دیں میں نے سوچا کہ جان بھی بچی اور راستہ بھی آسانی سے کٹ گیا۔ یہ سوچتے ہی میں نے جیب سے دس روپئے کا نوٹ نکالا اور اس شخص کو دینا چاہا۔ اس نے کہا: ''چودھری صاحب! مجھے آپ کو گھر تک بہ حفاظت پہنچانے کی ذمہ داری ملی تھی اور میں شام چار بجے سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔

اللہ کی راہ میں دو روپئے دیئے تھے ناں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے وسوسوں میں نہیں پڑتے۔ یہ دس روپئے بھی آپ کو نصیب ہوں۔ میرا کام مکمل ہو گیا ہے''۔ یہ کہتے ہی وہ شخص میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد واپسی میں میں نے گوجرانوالہ میں اس گھر کو اور اس عورت کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن آج تک نہ وہ گھر ملا نہ ہی وہ عورت۔ (صفحات: ۲۸۲ تا ۲۸۴ نا قابل یقین سچے واقعات، مولفہ محمد انور بن اختر، ناشر فرید بک ڈپو)

☆☆☆

ایک گلاس دودھ کی برکت

ایک دن ایک غریب لڑکا جو دروازے دروازے لوگوں کی ضرورت کی چیزیں بیچا کرتا تھا تاکہ اپنے تعلیمی اخراجات کو پورا کرسکے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے پاس مشکل سے ایک روپیہ کا سکہ بچ رہا ہے، جب کہ وہ بھوکا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگلے مکان پر ایک وقت کے کھانے کے لئے سوال کرے گا۔

بہرحال وہ اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا جب اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان عورت نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا۔ کھانے کی بجائے پانی کا مطالبہ اس نے کیا۔ سوچا کہ یہ آدمی بھوکا دکھائی پڑتا ہے لہٰذا وہ دودھ کا ایک بڑا سا گلاس لے کر آئی۔ اس نے آہستگی سے اس کو پی لیا اور پھر پوچھا ''میں اس کا کیا بدلہ چکاؤں؟'' ''تمھیں کچھ بھی بدلہ نہیں چکانا ہے''۔ اس نے جواب دیا ''میری ماں نے مجھے تعلیم دی ہے کہ کسی کارِ خیر کا معاوضہ کبھی بھی قبول نہیں کرنا''۔ لڑکے نے (مجبوراً) کہا: تب پھر میں اتنا ہی عرض کروں گا کہ میں آپ کے حسنِ عمل) کے لئے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

جوں ہی فیصل احمد اس گھر سے رخصت ہوا اس نے نہ صرف یہ کہ جسمانی طور پر زیادہ طاقت محسوس کی بلکہ خدا اور اس کی مخلوق پر اس کا حسن ظن بھی بڑھ گیا۔ (عام

طور پر لوگ خلق خدا سے بدظن رہتے ہیں چونکہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں) وہ خود بھی ایک عرصہ سے خرابیوں کو ترک کرنے اور خوبیوں کو اپنانے کا رویہ اختیار کئے ہوئے تھا۔

اس واقعہ کے برسوں بعد وہ جوان عورت (جواب بوڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ سکی تھی) بری طرح بیمار پڑی۔ (یادرکھئے اس دوران وہ غریب لڑکا ایک ماہرفن ڈاکٹر بن چکا تھا) مقامی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ بالآخران لوگوں نے اسے بڑے شہر علاج کے لئے بھیج دیا جہاں انہوں نے اس عجیب وغریب بیماری میں ماہرین طب سے صلاح لینے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر فیصل احمد کو مشورہ کیلئے طلب کیا گیا۔ جس وقت انہوں نے اس شہر کا نام سنا جہاں سے وہ عورت آئی تھی ان کی آنکھوں میں (پرانی یادوں سے بھری) ایک عجیب سی چمک بھر گئی۔ وہ فوراً کھڑے ہوگئے اور اسپتال کے بڑے ہال سے اتر کر اس عورت کے کمرے کی طرف چل پڑے۔

ڈاکٹر کے گون میں وہ اس عورت کے کمرے میں اسے دیکھنے گئے۔ انہوں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ فوراً Consultation room کی طرف واپس ہوئے تاکہ اس کی زندگی بچانے کے لئے ہرممکن کوشش کی جاسکے۔ اس دن کے بعد سے اس کیس پر انہوں نے اپنی خصوصی نگرانی برقرار رکھی۔ ایک لمبی جدوجہد کے بعد (موت وحیات کی) لڑائی جیت لی گئی۔ ڈاکٹر احمد نے اسپتال کی انتظامیہ سے درخواست کی آخری بل ان کی منظوری کے لئے پیش کیا جائے۔ بالآخر اس بل پر انہوں نے نظر ڈالی، پھر اس کے کنارے پر کچھ لکھا اور بل مذکورہ عورت کے کمرے میں بھجوادیا۔ وہ اس بل کو کھولنے سے ڈر رہی تھی، کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اس بل کی طول طویل رقوم کی ادائیگی میں اسکی باقی ماندہ زندگی گزر جائے گی۔ آخرکار اسے بل کو دیکھنا ہی پڑا اور کسی خاص چیز نے اس کی توجہ کو بل کے کنارے پر لکھی ہوئی تحریر پر مرکوز کردیا۔

اس نے درج ذیل الفاظ کو پڑھا:

''ایک گلاس دودھ کے عوض آپ (کے علاج) کی پوری رقم (جو اسپتال پر واجب الادا تھی) ادا کردی گئی ہے''۔

دستخط: ڈاکٹر فیصل احمد

اس عورت کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے، ساتھ ہی اس کے خوشیوں سے بھرے دل نے دعاء دی:

''اے میرے خدا! آپ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زمانہ اہل خیر حضرات سے یعنی آپ کی محبت میں اعمالِ خیر کرنے والے لوگوں سے خالی نہیں ہوا ہے اور ابھی انسانی دلوں میں اور ان کے کمانے والے ہاتھوں میں آپ کی محبت ابل کر ان کے وجود سے باہر لہریں مار رہی ہے''۔

یاد رکھیئے

- ''قرابت محبت کی محتاج ہے اور محبت قرابت کی محتاج نہیں''۔
- شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکلی اپنی مشہور کتاب قوت القلوب جلد دوم حصہ چہارم میں تحریر فرماتے ہیں ''بعض اہل بیت سے ایک روایت میں مروی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ توریت مقدس میں لکھا ہوا ہے کہ، ایک میل چل کر مریض کی عیادت کرو، دو میل چل کر جنازہ کے ساتھ ساتھ جاؤ، تین میل چل کر دعوت قبول کرو اور چار میل چل کر اپنے مخلص بھائی کی زیارت کرو۔

☆☆☆

سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ صاحبؒ کا دل انسانی محبت اور شفقت کا خزانہ تھا۔ وہ بچپن میں ہی کسی روتے ہوئے بچے کو دیکھ کر مضطرب ہوجاتے تھے اور اس کی ماں سے اسے فوراً دودھ پلانے کو کہتے تھے۔ وہ تین چار سال کے تھے تب سے وہ اپنے کھانے میں دوسرے بچوں کو بھی شامل کرلیا کرتے تھے۔ اسی زمانے کی بات ہے کہ ایک عید کے روز بہت اچھے کپڑے زیب تن کئے ہوئے عیدگاہ جارہے تھے۔ راستے میں انہیں پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک بچہ نظر آیا وہ آب دیدہ ہوگئے اور انہوں نے اپنے کپڑے اس بچے کو پہنا دیئے اور اسے اپنے ساتھ عیدگاہ لے گئے۔

تقریباً ۲۰ برس اپنے مرشد کی خدمت کرنے کے بعد خواجہ غریب نواز نے ان سے رخصت چاہی ان کے مرشد نے انہیں تلقین کی ''اے معین الدین اب جب کہ تم نے فقر اختیار کرلیا ہے تو فقیروں ہی کی طرح عمل کرنا یہ اعمال ہیں غریبوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آنا، ناداروں کی خدمت کرنا، برائیوں سے بچنا اور ابتلاء ومصائب میں ثابت قدم رہنا'' اس طرح دینی وروحانی علوم میں منتہی ہونے کے بعد خواجہ صاحب پھر ایک سفر پر چل پڑے جس کی منزل ہندوستان میں اجمیر کا مقام تھا جہاں وہ ۱۱۹۵ء میں وارد ہوئے۔ یہ ایک اجنبی جگہ تھی مگر جلد ہی انہوں نے مقامی لوگوں کے ساتھ گہرا ربط قائم کرلیا اور ایک مناسبت پیدا کرلی۔ خاص طور پر یہاں کے دبے کچلے طبقوں میں ان کے

اثرات تیزی سے پھیلنے لگے۔ کچھ دنوں بعد خواجہ صاحب نے یہیں ایک خانقاہ قائم کی جوان کے انسانی محبت اور بھائی چارے کے پیغام کی اشاعت کا مرکز بن گئی۔

خواجہ معین الدین نے سخت ریاضت وعبادت کی زندگی گزاری اور تمام دنیاوی لذتوں سے بہت دور رہے۔ انہوں نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کئی روز کچھ نہیں کھاتے تھے اور کچھ کھاتے تھے تو وہ پانی میں بھگوئی ہوئی سوکھی روٹی ہوتی تھی۔ انہوں نے ساری زندگی صرف ایک کپڑے میں گذاری وہ پھٹ جاتا تو اسے خود سی لیتے اور اس طرح پیوند لگتے لگتے اس کا وزن اصل سے کئی گناہ ہو جاتا تھا وہ ساری رات عبادت اور یادالٰہی میں غرق رہتے تھے ان کے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ''۲۰ برس خواجہ کی خدمت میں رہے اور انہیں کبھی بھی اپنی صحت کی دعا مانگتے نہیں دیکھا۔ اس کی بجائے وہ مصائب اور تکلیفوں کی دعا مانگتے تھے۔ ایک دن میں نے مرشد سے پوچھا کہ وہ اس طرح کی دعا کیوں مانگتے ہیں وہ بولے کہ تکلیفوں سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور انسان اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہو اس روحانی جدوجہد کے طفیل خواجہ صاحب میں ایسی جاذبیت اور مقناطیسی قوت آ گئی تھی کہ ہر ذات' ہر طبقے اور مذہب کے لوگ دور و پاس سے جوق در جوق' سکون و پناہ کی تلاش میں ان کے پاس آنے لگے اور اس طرح آپ غریب نواز کہلانے لگے۔

ایک رات خواجہ غریب نواز اپنے حجرے میں داخل ہوئے' دروازہ حسب معمول اندر سے بند کرلیا اور یادالٰہی میں غرق ہو گئے وہ لگا تار پانچ روز تک باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ مریدوں اور عقیدت مندوں کو تشویش ہوئی اور چھٹے روز جب انہوں نے دروازہ توڑا تو دیکھا خواجہ صاحب کا وصال ہو چکا تھا یہ ۱۱/ مارچ ۱۲۳۳ء مطابق ۶ رجب ۶۳۳ ہجری کی تاریخ تھی۔ انہیں انہی کے حجرے میں سپرد خاک کر دیا گیا جہاں بعد میں ان کا مزار تعمیر کیا گیا۔ ☆☆☆

گناہوں کی دوا

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ ایک دن بصرہ کی ایک شاہرہ سے گزر رہے تھے دیکھا کہ ایک مقام پر کافی مجمع ہے اور لوگ جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ آپ بھی بڑھے اور دیکھا کہ مجمع کے درمیان ایک خوش پوش، خوش رو، جوان ہے۔ لوگ شیشیوں میں کوئی اپنا خون، کوئی اپنا پیشاب لئے اس کو دکھلا رہے ہیں۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ بڑا مشہور معروف حاذق طبیب ہے۔

امیر المومنین آگے بڑھے، سلام کیا اور فرمایا۔ کیا درد گناہ کی بھی کوئی دوا آپ کے پاس ہے۔

طبیب نے پوچھا: ''گناہ بھی کوئی درد یا بیماری ہے؟''

امیر المومنین نے فرمایا: ''ہاں! گناہ بڑی مہلک بیماری ہے''۔

طبیب نے پوچھا: ''اگر گناہ بیماری ہے تو کیا اس کا کوئی علاج آپ کے پاس ہے؟''

امیر المومنین نے فرمایا: ''بے شک میں گناہ کا علاج جانتا ہوں اور درد کی دوا رکھتا ہوں''۔

طبیب نے کہا۔ ’’ذرا میں بھی سنوں کہ اس کی کیا دوا ہے اور کون سا نسخہ ہے جس کے ذریعہ آپ اس کا علاج کرتے ہیں‘‘۔

امیر المومنین نے طبیب سے فرمایا: اچھا اٹھو اور آؤ، ذرا میرے ہمراہ ’’باغ ایمان‘‘ میں چلو، وہاں پہنچ کر۔ نیت کے درخت کچھ ریشے، دانۂ پشیمانی قدرے، برگ تدبیر قدرے، تخم پرہیزگاری قدرے، ثمر فہم قدرے، شاخہائے یقین قدرے، مغز اخلاص قدرے، پوست سعی قدرے، زہر مہرہ تواضع مختصر اور توبہ کا پچھلا حصہ لو۔

ترکیب: ان سب دواؤں کو باہوش وحواس اطمینان قلب سے توفیق کے ہاتھوں اور تصدیق کی انگلیوں سے تحقیق کے پیالے میں ڈالو اور آنکھوں کے پانی میں بھگودو۔ کافی دیر کے بعد پھر سب کو امید کی پتیلی میں ڈال کر شوق کی آگ میں جوش دو۔ اس قدر کہ مادہ فاسدہ فنا ہوجائے اور خالص چیز رہ جائے۔ اس کے بعد تسلیم ورضا کی طشتری میں رکھ کر توبہ واستغفار کی پھونکوں سے ٹھنڈا کرو پھر اسے ایسی جگہ بیٹھ کر جہاں سوائے خدا کے اور کوئی نہ ہو پی لو‘‘۔ یہ ہے وہ دوا جو گناہ کے درد کو دفع اور مصیبت کے زخموں کو بھر دیتی ہے پھر درد یا زخم کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔‘‘

طبیب یہ سن کر حیران ہوگیا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا آگے بڑھ کر امیر المومنین کے قدموں میں گر گیا۔ (ماخوذ نادر واقعات)

☆☆☆

خدمت کے آداب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر کسی بزرگ کا جوتا اٹھانا چاہو جس وقت وہ پاؤں سے نکال رہے ہیں اس وقت ہاتھ میں مت لو کہ اس سے بعض اوقات دوسرا آدمی گر پڑتا ہے۔ بعض اوقات بعض خدمت دوسروں سے لینا پسند نہیں ہوتا سو ایسی خدمت پر اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ مخدوم کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ بات اس مخدوم کی صریح ممانعت یا قرائن سے معلوم ہوجاتی ہے۔

اگر کوئی اپنا مطاع (یعنی مخدوم) کوئی کام بتادے تو اس کو پورا کرکے ضرور اطلاع دینا چاہیئے۔ اکثر اوقات وہ انتظار میں رہتا ہے۔

(بدنی) خدمت شیخ پہلی ملاقات میں کرنا سخت بار معلوم ہوتا ہے، اگر شوق ہے تو پہلے بے تکلفی پیدا کرے۔

کوئی اپنا بزرگ کسی کام کی فرمائش کرے تو اس کو انجام دے کر اطلاع بھی دینی چاہیئے تاکہ اس بزرگ کو انتظار سے انتشار نہ ہو۔

پنکھا جھلنے والوں کو کئی رعایت رکھنے کے لئے کہا گیا، اول یہ کہ پہلے پنکھے کو ہاتھ سے یا کپڑے سے خوب جھاڑ لو کیوں کہ بعض اوقات پنکھا فرش پر پڑے رہنے

سے اس میں کچھ گرد وغبار کبھی کوئی باریک سا ریزہ مٹی کا، چونے کا یا کنکر کا لگا رہتا ہے اور حرکت دینے سے وہ آنکھ وغیرہ میں جا پڑتا ہے جس سے تکلیف ہوتی ہے، دوسرے ہاتھ اس انداز سے رکھو کہ نہ تو سر وغیرہ میں لگے نہ اس قدر اونچا رہے کہ ہوا ہی نہ لگے اور ایسے زور سے مت جھلو کہ دوسرا پریشان ہو تیسرے اس کا خیال رکھو کہ کسی پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو اس سے ایذا نہ ہو، مثلاً پنکھا اس کے منہ سے اڑا دیا جائے یا دیوار کی طرف اس کے منہ کے سامنے آڑ ہو جائے۔ چوتھے جب مخدوم اٹھنے کو ہو تو خیال رکھو کہ پہلے ہی پنکھا ہٹا لو تا کہ لگ نہ جائے۔ پانچویں اگر کوئی کاغذ وغیرہ نکالنے لگیں تو پنکھا روک لو مشین کی طرح تار نہ باندھو۔

ایک صاحب نے میرے لئے قبل از نماز صبح اس خیال سے کہ میں گھر سے آکر وضو کروں گا، لوٹا پانی کا بھر کر اور اس پر مسواک رکھ کر رکھ دیا۔ جب میں مسجد میں گیا تو اتفاق سے مجھ کو وضو تھا سیدھا چلا گیا، مگر مسجد میں پہنچ کر اتفاق سے بلا قصد اس لوٹے پر نظر پڑی اپنی مسکواک کو پہچان کر یہ سمجھا کہ یہ لوٹا میرے لئے رکھا گیا ہے، میں نے تحقیق کی کہ کس نے رکھا ہے، بہت تفتیش کے بعد رکھنے والے خود کو ظاہر کیا میں نے اس وقت مجملاً اور نماز پڑھ کر مفصلاً ان صاحب کو فہمائش کی کہ دیکھو تم نے محض احتمال پر کہ شاید میں وضو کروں لوٹا بھر کر رکھا اور یہ احتمال نہ ہوا کہ شاید وضو ہو، چنانچہ وہ تمہارا احتمال واقعی غلط نکلا اور یہ دوسرا احتمال واقع ہوا تو اس صورت میں اتفاق سے میری نظر لوٹے پر نہ پڑتی اور رکھنے والے خود بھی غائب تھے تو یہ لوٹا یوں ہی بھرا ہوا رکھا رہتا اور کوئی اس کو نہ برت سکتا، اول تو اس کے بھرے ہونے کی وجہ سے کہ یہ قرینہ ہے کہ کسی نے اپنے لئے رکھا ہے اور دوسرے اس پر مسواک رکھے رہنے کے سبب سے کہ یہ تو عادةً قرینہ قطعیہ ہے، دوسروں کو استعمال سے روکنے کا پس جب اس کو کوئی نہیں خرچ کر سکتا تو تم نے ایسی چیز کو بلا ضرورت محبوس کیا جس کے ساتھ نفع عام

متعلق ہے جو کہ اس کی وضع ونیت واقف کے خلاف ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے یہ لوٹے کے متعلق ہوا، اب مسواک رہی، سو تم نے بلا ضرورت اس کو محفوظ جگہ سے ہٹا کر ایک غیر محفوظ جگہ میں رکھ دیا اور چونکہ اس کا انتظام نہیں کیا گیا کہ رکھنے کے بعد اس کی نگرانی بھی کی جائے کہ بعد فراغ اس کو پھر پہلی جگہ رکھ دیا جاوے کیوں کہ لوٹے پر رکھ کر بزعم خود یقین کر لیا گیا کہ فلاں شخص اس کو استعمال بھی کرے گا اور استعمال کر کے اٹھا کر بھی رکھ دے گا تو اس لئے ضیاع کے خطرے میں ڈال دیا تمہاری یہ خدمت اتنے ناجائز امور اور کلفتوں کا سبب ہوئی، آئندہ سے کبھی ایسا مت کرنا یا تو اجازت لے کر ایسا کرو یا جس وقت دیکھو کہ وہ وضو کیلئے آمادہ ہے اس وقت مضائقہ نہیں ورنہ بے قاعدہ خدمت سے بجائے راحت کے اور الٹی کوفت ہوتی ہے۔

یہی حال ہے بدعات کا کہ صورت ان کی طاعت کی ہے جیسے یہ صورتاً خدمت تھی مگر اس میں مفاسد مخفی ومضمر ہوتے ہیں جن کو کم فہم نہیں جانتے جیسے اس خدمت میں باریک خرابیاں تھیں جن کو خدمت کرنے والے نے نہ جانا۔

ایک شخص فرشی پنکھا کھینچنے لگے میں کسی کام سے اٹھنے لگا تو انہوں نے پنکھے کی رسی اپنی طرف زور سے کھینچ لی تا کہ پنکھا میرے سر میں نہ لگے میں نے سمجھایا کہ ایسا مت کرو، اگر میں پنکھے کی جگہ خالی دیکھ کر اس جگہ کھڑا ہو جاؤں اور اتفاق سے رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پنکھا سر میں آکر لگے بلکہ یہ چاہئے کہ رسی بالکل چھوڑ دو تا کہ پنکھا اپنی جگہ آکر مستقر ہو جائے پھر اٹھنے والا خود سنبھل کر اٹھ جاوے۔

دستر خوان پر بعض اوقات شکر بھی ہوتی ہے اس وقت خادم اس طرح پنکھا جھلتے ہیں کہ شکر برتن سے اڑنے لگتی ہے اور بعض اوقات اس برتن سے چمچہ میں لیتے ہیں تو چمچہ سے اڑنے لگتی ہے تو خادم کو ان باتوں کی تمیز چاہئے۔

عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں اتفاق سے لیٹ گیا ایک شخص مسافر نا آشنا آکر پاؤں دبانے لگے، مجھ پر بار ہوا، پوچھا کون؟ انہوں نے نام اور پتہ بتلایا مگر میں نے نہیں پہچانا میں نے پاؤں دبانے سے روک دیا اور کہا اول ملاقات کرنا چاہئے پھر اجازت لے کر خدمت کا مضائقہ نہیں ورنہ خدمت سے گرانی ہوتی ہے اور اگر مقصود اس سے ملاقات ہی ہے تو ملاقات کا یہ طریقہ نہیں پھر میں نے سمجھا دیا کہ اب عشاء کے بعد آرام کا وقت ہے تم بھی آرام کرو صبح ملنا چنانچہ صبح ملے اس وقت پھر اچھی طرح سمجھا دیا۔

بھائی کے گھر سے ایک بند خط میرے پاس اپنے کارندے کے ہاتھ بھجوایا گیا تا کہ اس کو ڈاک میں چھڑوا دیا جائے اور میں ہی اس کی فرمائش کر آیا تھا کیوں کہ اس خط کا مجھ سے تعلق تھا، راہ میں کارندے نے دیکھا کہ اس وقت ڈاک لے کر ہرکارہ اسٹیشن جاتا ہے کارندہ صاحب نے یہ خیال کر کے ڈاک خانہ سے کل نکلے گا اس ہرکارہ کو دے دیا کہ آج ہی روانہ ہو جائے گا کیوں کہ ہرکارہ ریل کے سب پوسٹ ماسٹر کو دے دے گا، اب میں اس کا منتظر کہ بھائی کے گھر والے میرے پاس خط بھیجیں گے جب وہ خط نہ آیا تو میں نے تحقیق کیا اس وقت یہ سب قصہ معلوم ہوا میں نے کارندہ صاحب کو بلا کر فہمائش کی کہ تم نے امانت میں بلا اذن کیسے تصرف کیا تم کو کیا معلوم کہ میرے پاس بھیجنے میں کیا مصلحت تھی اور تم کو کیا معلوم کہ ڈاک خانہ کے ذریعہ سے بھیجنے کو ہرکارہ کے ہاتھ پہنچنے پر کس مصلحت سے ترجیح دیتا، تم نے اپنے اجتہاد فاسد سے یہ سب مصلحتیں برباد کیں تم کو دخل دینا کیا ضروری تھا، تمہارا کام صرف اس قدر تھا کہ وہ خط میرے پاس پہنچا دیتے کارندہ نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔

ایک شخص سہارنپور سے جمعہ کے روز بارہ بجے دن کی گاڑی میں آئے ایک عزیز نے ان کے ہاتھ کچھ برف بھیجا تھا وہ مدرسہ میں ایسے وقت پہنچے تھے کہ طلبہ جمعہ کی نماز کو گئے تھے وہ شخص برف ایک طباق میں رکھ کر جامع مسجد چلے گئے، بعد جمعہ

ایک دوست جن سے میں نے وعظ کی درخواست کی تھی، وعظ کہنے لگے چوں کہ وہ مجھ سے شرماتے تھے، میں مدرسہ میں چلا آیا، وہ شخص وعظ میں شریک رہے بہت دیر کے بعد مدرسہ میں آئے اور اس وقت وہ برف پیش کیا جو ایک رومال میں لپٹا تھا اول تو یہی بات مناسب معلوم ہوئی برف کے ساتھ کمبل یا ٹاٹ یا برادہ لاتے مگر یہ فعل دوسرے کا تھا اور ان کے اختیار سے باہر تھا لیکن جو کام ان کے کرنے کا تھا انہوں نے اس میں بھی کوتاہی کی یعنی اول تو آتے ہی برف گھر پہنچاتے اگر یہ کسی وجہ سے ذہن میں نہیں آیا تھا تو بعد نماز فوراً آجاتے اور اگر آنے کو جی نہیں چاہتا تھا تو جب میں آنے لگا تھا تو اس وقت مجھ سے اس کی اطلاع کر دیتے میں اس کو لے لیتا اب دو گھنٹے کے بعد آکر سپرد کیا جو قریب قریب گھل گیا برائے نام تھوڑا سا باقی رہ گیا، مجھ کو تمام قصہ معلوم ہوا تو میں نے فہمائش بھی کی اور چوں کہ میری رائے میں باقتضائے خصوصیت ان کی طبیعت کی خالی فہمائش ناکافی ہوئی اس لئے میں نے اس کے لینے سے انکار کیا تا کہ ان کو ہمیشہ یاد رہے وہ بہت پریشان ہوئے، میں نے کہا تم نے ایک شخص کی امانت ضائع کی جب ضائع ہوگئی اب مجھ کو دینا چاہتے ہو میں بلا وجہ احسان لینا نہیں چاہتا اب اس بقیہ کو تم ہی خرچ کرو تم کو یا تو امانت نہ لینا چاہئے تھا اور اگر لی تھی تو اس کا حق پورا پورا ادا کرنا چاہئے تھا۔ (آداب المعاشرت: ص:۲۱)

خدمت کی تین شرطیں ہیں

خدمت سے گو راحت ہوتی ہے لیکن خدمت کے لئے تین شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ خلوص ہو یعنی اس وقت کوئی غرض اس خدمت سے نہ ہو محض محبت سے ہو اکثر لوگ خدمت کو ذریعہ بناتے ہیں عرض حاجت کا یہاں تک کیا ہے، بعد عشاء کے میں تھوڑی دیر لیٹ رہتا ہوں طالب علم بدن دبانے لگتے ہیں، چوں کہ بدن دبانے سے راحت

ہوتی ہے میری آنکھ لگنے لگتی ہے جس وقت میری آنکھ لگنے لگی تو ایک صاحب جو بدن دبانے میں شریک ہوگئے تھے مجھ سے کہا کہ مجھے کچھ پوچھنا ہے۔ انہیں واقعات سے میں دوسروں پر بدگمانی کرنے لگا اس لئے میں تحقیق کرلیتا ہوں کہ کون کون بدن دبا رہا ہے سوائے دو چار طالب علموں کے باقی سب کو رخصت کردیتا ہوں دوسری شرط خدمت کی یہ ہے کہ دل ملا ہوا ہو، ایک نو وارد آکر بدن دبانے لگے یا پنکھا جھلنے لگے تو لحاظ بھی ہوتا ہے شرم بھی آتی ہے، اب آدمی تختہ مشق کیسے سب کا بن جاوے، تیسرے یہ کہ کام بھی آتا ہو، مثلاً بعضوں کو بدن دبانا نہیں آتا اور بعض موقع لحاظ کا ہوتا ہے، اب اس سے کیسے منہ پھوڑ کر کہہ دیا جاوے کہ آپ سے بدن دبانا آتا نہیں آپ چھوڑ دیجئے، مجبور چپ رہنا پڑتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدمت کررہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کی خدمت کررہا ہوں کہ کچھ بولتا نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں اس کے واسطے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کے واسطے تکلیف اٹھا رہا ہوں۔ طالب علموں سے دل کھلا ہوا ہے اور ان کو طریقہ بھی آتا ہے، ان سے کچھ تکلیف بھی نہیں ہے چاہے پاؤں پھیلا دیا جائے پیٹھ کرکے سو رہا اب دو چار تو ایسے ہوتے ہیں سب ایسے کہاں ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی خدمت

میں مسلمانوں کی خدمت کو طاعت اور سعادت سمجھتا ہوں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ میں بوڑھوں، سیدوں اور ذاکرین سے خدمت نہیں لیتا۔

میں نے نہ کسی کی خدمت کی نہ کسی سے خدمت لی بزرگوں کی بھی خدمت نہیں کی یہ اپنی اپنی عادت ہے، مجھ کو عادت ہی نہیں ہوئی ہاں ایسوں سے خدمت لے لیتا ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم خدمت کررہے ہیں نہ اس کو گمان خصوصیت کا ہونہ

دوسروں کو کہ بھائی یہ مقرب ہے، کوئی طریقہ سے خدمت لے تو میں خدمت کے لئے آدھی رات موجود ہوں۔ بے طریقہ خدمت سے معذور ہوں۔

ہر شخص کے رتبہ کے موافق اس کی قدر و منزلت کرو سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو، کسی کو سخت تنگی میں مبتلا دیکھو تو حتی الامکان اس کی مدد کرو، حاجت مند کی کار برآری میں حتی الامکان سعی کرو، اگر خود استطاعت نہ ہو کسی سے سفارش ہی کردو، بشرطیکہ جس شخص سے سفارش کرتے ہو اس کو کوئی ضرر یا تکلیف نہ ہو۔ یتیم خواہ اپنا ہو یا غیر ہو اس کی کفالت سے سرکار نبوی e کی معیت بہشت میں ہوگی، جو کما کما کر بیواؤں اور عزیزوں کی خبر گیری کرے اس کو جہاد کے برابر ثواب ملتا ہے۔

ظالم کی خیر خواہی اس طرح کرو کہ اس کو ظلم سے باز رکھو اور مظلوم کی نصرت تو بہت ہی ضروری ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے جہاں پانی کثرت سے ملتا ہے وہاں تو ایسا جیسے غلام آزاد کیا اور جہاں کم ملتا ہے وہاں ایسا ثواب ہے جیسے کسی مردہ کو زندہ کردیا۔ اگر کھانا پکانے کو کسی کو آگ دے دی یا کھانے میں ڈالنے کو کسی کو ذرا سا نمک دے دیا تو ایسا ثواب ہے جیسے وہ سارا کھانا اس نے دے دیا۔

ماں باپ کی خدمت کرو گو وہ کافر ہی ہوں اور ان کی اطاعت بھی کرو جب تک کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہ کہیں۔ والدین کی خدمت کا یہ بھی تتمہ سمجھنا چاہئے کہ بعد ان کے انتقال کے ان کے ملنے والوں سے سلوک و احسان کیا جاوے، اگر ماں باپ ناخوش مر گئے ہوں تو ان کے لئے ہمیشہ دعاء و استغفار کرتے رہو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کو رضامند کردیں گے۔ اعزہ و اقارب سے سلوک کرو اگرچہ وہ تم سے بدسلوکی کریں۔

☆☆☆

سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کی دعائیں

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فیوض و برکات سے تادم حیات تو لوگوں کے لئے آئینہ رحمت و برکت تھے وصال کے بعد بھی دریائے فیضنایاب نہیں بلکہ آج بھی ایمان والوں اور اعتقادات کے بندوں کے لئے ایک گنجینۂ معانی اور دفتر مقبولیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے بخشے ہوئے نسخے، عملیات، اور اوراد و ظائف آج بھی فیض و تاثر کے لحاظ سے عظمت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے ایجاب وقبول سے عوام الناس ہر دور اور ہر موقع پر فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ ذیل میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ایسے نسخے او ردعائیں ہدیہ قارئینکئے جاتے ہیں۔

اولاد کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد اگر کوئی اولاد سے مایوس شخص بہ عجز و انکسار یہ دعا تین مرتبہ خلوص نیت کے ساتھ دہرائے تو اسے اللہ تعالیٰ اس نعمت سے سرفراز فرمائے گا۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَاتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّجعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا.

آسیب سے نجات کی دعا: حضرت خواجہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس دعا کو تین مرتبہ پانی کے اوپر دم کرنے کے بعد منہ پر اس کا چھینٹا مارا جائے یا اسے پڑھ کر کان پر دم کر دیا جائے تو اس شخص سے آسیب کا سایہ دور ہو سکتا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْ رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْئٌ عَظِيْمٌ.

زہریلے جانوروں کے کاٹنے کی دعا: حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کسی زہریلے جانور نے کاٹ دیا ہو تو اس مقام پر انگلی گھماتے ہوئے سات مرتبہ یہ دعا ایک سانس میں پڑھ کر یا تو اس شخص کے کان پر دم کیا جائے یا پانی کے اوپر دم کر کے اس کا چھینٹا منہ پر مارا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ زہر کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔ ”وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ“.

نجات مرض کی دعا: حضرت خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا مریض کے گلے میں تعویذ کی شکل میں ڈال دی جائے تو بفضل خدا اس کے مرض میں افاقہ اور صحت عطا ہوگی۔ ”كٓهٰيٰعٓصٓ حٰمٓعٓسٓقٓ ۲۲۳۱“۔

زیادتئ رزق کی دعا: حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نماز کے وقت یہ دعا بکثرت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ بندے کے رزق میں اضافہ فرماتا ہے۔ ”اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا سے حَلِيْمًا غَفُوْرًا“ تک پڑھے۔

بصارت چشم کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نماز کی ادائیگی کے بعد باقاعدگی کے ساتھ پڑھ کر اور انگلی پر دم کر کے اسے آنکھوں پر لگالیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ آنکھوں کی روشنی میں کبھی کمی واقع نہ ہوگی۔ بلکہ پیشتر جو کچھ نقصان پہنچ چکا ہے وہ جاتا رہے گا۔ ”وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ“.

جملہ حاجات کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں کہ ان آیتوں کو انگشتری پر کندہ کرا کر اپنے پاس رکھا جائے تو ہر قسم کی حاجت کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے پورا فرمائے گا۔ ”وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْ لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُو الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ“۔

عمل کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عمل کے وقت اس سورۃ کو پڑھ لے وہ اس عمل کی رجعت سے محفوظ رہے گا۔ ”اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ“۔

شیرینی ثمر کی دعا: حضرت غریب نواز ؒ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ آیت پڑھ کر خربوزہ یا اور کوئی پھل تراشا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ شیریں اور لذیذ معلوم ہوگا۔ ”فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ“۔

گمشدہ اشیاء کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں۔ اس آیت کو پڑھ کر گم شدہ شے تلاش کی جائے تو انشاء اللہ ضرور مل جائے گی۔ ورنہ غیب سے کوئی عمدہ شئے ملے گی۔ ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادً یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعاً وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ“۔

ادائیگی قرض کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں کہ صبح وشام سات مرتبہ پڑھ لینے سے انشاء اللہ قرض ادا ہو جائے گا۔ ”رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ“۔

ترقی رزق کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں ابتدا مہینے کے جمعہ سے چالیس جمعہ تک گیارہ مرتبہ بعد نماز مغرب پڑھے۔ ”حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اور ہر جمعہ کے بعد کاغذ پر اس آیت کو لکھ کر کنوئیں میں ڈالتا جائے انشاء اللہ

غنی اور تونگر ہو جائے گا۔ ”وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَ“۔

مصیبت کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پڑھنے سے مصیبت سے نجات مل جاتی ہے۔ ”اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تا آخر سورت۔

محبت کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو پڑھ کر شیرنی پر دم کرے جس کو کھلائے محبت ہو جائے۔ ”وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ“۔

کامیابی کی دعا: حضرت خواجہ غریب نواز ؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو پڑھ کر دعا کرے انشاء اللہ ہر مراد پوری ہوگی۔ ”وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ“۔ (انعام ۱۲۳)

☆☆☆

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خشیت کا عالم

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار عشاء کی نماز پڑھی تو نماز میں امام نے سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا پڑھی جس کے آخر میں ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ آخرت میں اسے دیکھ لے گا۔ اسی طرح جو شخص دنیا میں ذرّہ برابر برائی کرے گا اس کو بھی دیکھ لے گا۔

نماز ختم ہونے کے بعد سب لوگ تو اپنے اپنے گھر چلے گئے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عشا کے بعد سے لیکر صبح تک انہیں آیتوں کو دہراتے رہے اور اپنی داڑھی کو پکڑ کر روتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ اے وہ ذات جو ذرہ برابر نیکی کا بدلہ ثواب سے دیگی اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ سزا اور عذاب سے دیگی یہ بھی میرا ایک چھوٹا سا عمل ہے کہ میں شب کی تنہائیوں میں تجھ سے رو رو کر فریاد کر رہا ہوں۔ میرے اس عمل کو قبول فرمایئے اور اپنے بندے نعمان کو دوزخ سے نجات دیجئے۔

شدّتِ خوف

امام صاحب کا دوسرا واقعہ ہے کہ دوزخ کے خوف سے رات بھر روتے تھے اور زاروقطار روتے تھے۔ رونے کی آواز کی وجہ سے پڑوسی جاگ جاتے تھے اور انہیں رحم

آجاتا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ یا اللہ ان کے دل میں اطمینان ڈال دیجئے تاکہ یہ اتنا نہ رویا کریں۔

دیکھا آپ نے کہ آپ کے امام صاحب مسئلہ مسائل کے تو امام تھے ہی لیکن ان کے اندر یہ انمول چیزیں بھی تھیں۔

دنیا میں مومن کا مزاج

ایک عالم سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت مزاج کیسا ہے؟ انہوں نے اس کے جواب میں ایسی عمدہ بات کہی کہ میں نے جب اسے سنا تو یاد ہی کرلیا۔ انہوں نے کہا کہ اس دار دنیا میں مومن کا مزاج کیا پوچھتے ہو۔ مومن تو دنیا میں بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا "امید وخوف کے درمیان" رہتا ہے۔ کچھ خبر نہیں کہ کس کروٹ اونٹ بیٹھے گا ہاں جب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خوش خبری سن لیں گے تب مزاج کا حال بتائیں گے۔

امام صاحب کا ہر عمل لائق اتباع ہے

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حال آپ نے سنا اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ وطہارت میں بھی امام صاحب سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور سب سے آگے تھے۔ اس بارے میں امام صاحب ہمارے لئے حجت ہیں اور ان کا عمل حجت ہے۔ امام صاحب کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے۔ مخالفین اگر کچھ کہتے تھے تو ان کو بھی کچھ نہیں فرماتے تھے اور کبھی اپنے کسی مخالف کی بھی غیبت نہیں کرتے تھے۔

قرآن تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا

علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے اسی طرح قرآن شریف بھی شفاعت کرے گا۔ اور آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کہے گا یہ مجھ پر ایمان لاتا تھا اور مجھ کو پڑھتا تھا۔ یا اللہ آپ اس کو بخش دیجئے۔ اور اس دنیا میں سب

سے بڑھ کر لذت کی چیز قرآن شریف ہی ہے۔ دنیا کی کسی چیز میں ایسی لذت وحلاوت نہیں ہے جیسی قرآن شریف کی تلاوت میں ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر تلاوت کا اثر

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ میں حضرت حاجی صاحب کے پاس تھا وہاں لوگوں نے کوئی جلسہ کیا جس میں علماء کو بھی بلایا تھا اور مجھ کو بھی بلایا تھا۔ مولانا تشریف لے گئے تھے۔ ایک لڑکے نے قرآن شریف پڑھا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس نے ایسی آیت تلاوت کی کہ میرا قلب تو اڑ گیا اور میں نے کہا کہ بھائی اب میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں اگر مجھ سے وعظ کہلانا تھا تو اس لڑکے سے قرآن نہ پڑھواتے اب میں قابو میں نہیں ہوں اور طبیعت اختیار میں نہیں ہے۔ معلوم نہیں کیا کہوں گا کیا نکلے گا اس لئے معاف کرو وعظ نہیں کہہ سکتا۔

ایمان میں زیادتی

یہاں کے قرآن پڑھنے میں اور وہاں کے پڑھنے میں بہت فرق ہے۔ وہاں کے لڑکے ایسی تلاوت کرتے ہیں کہ عجیب کیفیت قلب کی ہو جاتی ہے۔ بڑے لوگوں کی تلاوت کا تو کیا کہنا ہے۔

بھائی دیکھو! جتنا جنت کو یاد کرو گے اتنا ہی اس پر ایمان بڑھے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اور آپ نے جنت کی دعا فرمائی ہے اسلئے آپ کی اقتدا کا ثواب بھی ملے گا اور جنت پر ایمان بالغیب بھی بڑھتا جائے گا اسلئے جنت غیب ہے اس کو دیکھ نہیں رہے ہو، پھر جب اسکا سوال کرتے ہو تو یہ اسکے تصدیق اور ایمان کی دلیل ہے جتنا مانگو گے اتنا ہی ایمان بڑھے گا اسی طرح جتنا دوزخ سے پناہ مانگو گے اسی قدر اس پر ایمان بڑھے گا۔ ہم مسلمان ہیں آخرت پر اور غیب پر ہمارا ایمان ہے اسلئے پہلے وہیں کی چیزوں پر ایمان لائیں گے۔

شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے اپنی خانقاہ عالیہ سے ملحق ایک علمی درس گاہ کی بنیاد رکھی تھی، جس کے دو شعبے تھے، ایک شعبے میں علماء تربیت حاصل کرتے تھے اور دوسرے شعبے میں مبلغ حضرات کو تعلیم دی جاتی تھی، مبلغین کے لئے ضروری تھا کہ جس ملک یا علاقے میں انہیں بھیجا جائے وہاں کی زبان اور معاشرتی رسموں سے پوری طرح واقف ہوں، تاکہ تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے والوں کو کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ ہو اس لئے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش ہر ملک سے ایک عالم وفاضل شخص کو ملتان بلاکر اپنی درس گاہ میں ملازم رکھا، اسے معقول تنخواہ دی اور آرام دہ رہائش کی سہولت فراہم کی۔

جب تبلیغی شعبے کے طلباء فارغ التحصیل ہوکر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سے دریافت کرتے:

"کیا تم فی سبیل اللہ تبلیغ کے لئے تیار ہو؟"

اس طرح بہت سے نوجوان اپنے آپ کو اس کارِ عظیم کے لئے پیش کردیتے تھے، جو نوجوان عالم جس ملک میں جانا چاہتا، وہ اسی علاقے کی زبان اور ثقافت کی

تعلیم حاصل کرتا، دوسال بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریاhاس مبلغ کے استاد کو پانچ ہزار اشرفیاں دے کر فرماتے: ’’اس ملک کے لئے شہر سے مفید اور ضروری چیزیں خرید کر جہاز میں رکھ دو‘‘۔ پھر جب سامان سفر تیار ہو جاتا تو حضرت شیخ الاسلام اپنی دعاؤں کے سائے اس جہاز کو روانہ کرتے اور مبلغ کو مندرجہ ذیل ہدایات فرماتے:

’’سامان کم منافع پر فروخت کرنا......لین دین کے ہر معاملے میں اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھنا......ناقص چیزوں کو فروخت نہ کرنا، بلکہ فقراء اور مساکین کو مفت دے دینا......خریداروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا......جب تک لوگوں کو اعتماد حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک ان کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش نہ کرنا‘‘۔

اس طرح یہ نوجوان مبلغین اسلام، سوداگروں کے لباس میں جہازوں پر سامان تجارت لاد کر ملتان سے روانہ ہوجاتے اور جاوا سماٹر، فلپائن اور چین کے علاقوں میں پہنچ کر اپنی دکانیں کھولتے، مقامی آبادی جو غیر مسلموں پر مشتمل ہوتی اس کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتے، پھر جب قربت حاصل ہو جاتی تو نظریہ وحدانیت سے نا آشنا لوگوں کے سامنے پیش کرتے۔ ان تبلیغی کوششوں کو خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا، اور غیر مسلم حضرات مبلغین اسلام کے حسن اخلاق، دینداری، خدا ترسی، دیانت داری اور معاملات کی صفائی دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے، آج مشرق بعید کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں جو کروڑوں مسلمان نظر آتے ہیں یہ ان ہی مبلغین تاجروں کی سعی مسلسل کا نتیجہ ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ؒ کی درس گاہ میں داخلی تبلیغ کا شعبہ بھی تھا، جس کی نگرانی خود حضرت شیخ فرماتے تھے، کشمیر سے راس کماری اور گودر سے بنگال تک مبلغین اور واعظین کی کئی جماعتیں مصروف عمل تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام ؒ کی آمد سے پہلے حضرت غنی سرور ؒ کی تبلیغی جماعتیں بھی موجود تھیں، مگر

صحیح نگرانی نہ ہونے کے باعث ان میں سست روی پید ہوگئی تھی، حضرت بہاء الدین زکریا ؒ نے ان تبلیغی جماعتوں کی بھی سرپرستی فرمائی، دس دس میل کے فاصلے پر مبلغین اسلام کی قیام گاہیں مقرر ہوئیں، جہاں سرسبز اور گھنے درختوں کے سائے میں کئی کئی دن تک وعظ ونصیحت کی مجلسیں گرم رہتیں، سال کے خاتمے پر مبلغین کے یہ گروہ ملتان حاضر ہوتے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ؒ کے سامنے اپنی کارگزاری کی مکمل تفصیلات پیش کرتے۔ ان جماعتوں کا قائد ’’خلیفہ‘‘ کہلاتا تھا، اہل اللہ کی ان ہی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر عیسائی مشنریوں نے بھی اپنے پادری دیہاتوں میں رونہ کئے اور آج بھی جنوبی ایشیا کے طول وعرض میں عیسائیت کی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں۔

کم نظر لوگ صوفیاء حضرات کی گوشہ نشینی پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اسلام کی کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ بس سماع کی مجلسیں آراستہ کیں، اور لنگر خانے قائم کئے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ ؒ نے کس طرح منظّم طریقے پر تبلیغی مراکز قائم کئے اور اپنے خدمت گاروں کو کیسے کیسے خطرناک علاقوں میں بھیجا، یہ صوفیائے کرام ہی کی جاں سوزیوں کا نتیجہ ہے کہ برصغیر پاک وہند کے تاریک ترین علاقوں میں اسلام کی روشنی پہونچی اور مضبوط ترین بت خانوں کی بنیادیں تک ہلا کر رکھ دیں۔

سلطان ناصر الدین محمود کے دور حکومت میں بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ؒ ’’شیخ الاسلام‘‘ کے منصب پر فائز رہے......مگر کسی روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس زمانے میں آپ ؒ دہلی تشریف لے گئے تھے، اور فرمانروائے ہند سے آپ ؒ کی ملاقات ہوئی تھی، عام اندازہ یہی ہے کہ اس وقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ؒ اپنی عمر شریف کی ۹۰ منزلیں طے کر چکے تھے، ۶۵۵ھ میں کچھ مسلمان سرداروں کی سازش سے مغلوں نے مسلمان پر حملہ کیا، مغلوں کے لشکر نے برج اور مورچے گرا کر

شہر کو غیر محفوظ کر دیا تھا، پھر یہ افواہ عام ہوگئی کہ مغل لوٹ مار کا بازار گرم کرنا چاہتے ہیں، ملتان کے باشندے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور مغلوں کے فتنے سے محفوظ رہنے کیلئے دعا کے طالب ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مکاشفے کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ فتنہ دعاؤں سے نہیں ٹلے گا'' شیخ کا ارشاد گرامی سن کر حاضرین کے چہرے خوف ودہشت سے زرد ہوگئے۔ کچھ دیر بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدمت گاروں سے فرمایا: ''ایک لاکھ درہم تھیلیوں میں بھر دو'' خدام نے خزانے سے مطلوبہ رقم نکالی، پھر حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس کثیر رقم کے ساتھ مغلوں کے لشکر میں پہونچے اور ان کے سردار سے فرمایا: ''تمہیں جس چیز کی تلاش ہے، میں اسے اپنے ہمراہ لایا ہوں، یہ ایک لاکھ درہم لے لو اور بندگان خدا کو معاف کر دو'' مغل سردار نے وہ کثیر رقم لے لی اور لوٹ مار کئے بغیر واپس چلا گیا۔

☆☆☆

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ

آخرت میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے جو دنیا میں اپنا دل بہت زیادہ نہ لگائے اور دنیا کو ہی سب کچھ نہ سمجھ بیٹھے بلکہ دنیا کو ایک ''عارضی اقامت گاہ'' سمجھے اور آخرت کو ''ابدی ودائمی اقامت گاہ'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ''. ''تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم پردیسی یا مسافر ہو''۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ بھی کہا کرتے تھے۔ ''اَللّٰھُمَّ لاَ عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ''. ''اے اللہ حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے''۔ آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا''. ''اے اللہ تو دنیا کو ہمارے لئے سب سے بڑی فکر کی چیز اور ہمارے علم کا منتہیٰ نہ بنا''۔ دنیا سے بے انتہا محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور اس سے بے رغبتی اللہ کی محبت اور آخرت کے سنورنے کا سبب ہے، حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کوئی ایسا عمل بتائیں جسے میں اگر کرنے لگوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم دنیا سے بے رغبتی

برتو اللہ تم سے محبت کرے گا اور اس چیز سے بے رغبتی برتو جو لوگوں کے پاس ہو تو لوگ تم سے محبت کریں گے''۔ (اسنادہ حسن اخرجہ ابن عدی فی الکامل،۹۰۲/۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''دنیا سے بے رغبتی دل اور بدن کے لئے راحت ہے''۔ (مناقب عمر لابن الجوزی، ص:۱۸۳)

یہ سامان جنت تک

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام آئے تو وہاں کے بڑے لوگوں اور لشکر کے سرداروں نے ان کا استقبال کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا بھائی کہاں ہے، لوگوں نے کہا آپ کا بھائی کون ہے؟ انہوں نے کہا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ (جو کہ شام کے حاکم تھے) لوگوں نے کہا کہ ابھی وہ آپ کے پاس آتے ہی ہوں گے اتنے میں وہ ایک اونٹنی پر سوار ہو کر آئے، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور ان کا حال دریافت کیا، پھر لوگوں سے کہا کہ اب تم لوگ ہمارے پاس سے چلے جاؤ، اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کیساتھ ان کے گھر تک آئے، انہوں نے ان کے گھر میں کوئی سامان نہیں دیکھنا سوائے ان کی تلوار، کمان اور کجاوہ کے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو اپنے گھر میں کچھ سامان رکھ لینا چاہیئے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! یہ ہمیں آرامگاہ تک آسانی سے پہنچا دے گا۔ (یعنی جنت تک)۔ (رواہ عبدالرزاق فی المصنف)

اپنے اعمال کا ٹٹولنا

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے زیادہ نماز پڑھتے ہو، زیادہ روزہ رکھتے ہو، زیادہ جہاد کرتے ہو، لیکن وہ تم سے بہتر تھے، لوگوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن ایسا کیوں؟

انہوں نے کہا وہ تم سے زیادہ دنیا سے بے رغبتی برتنے والے تھے اور تم سے زیادہ آخرت کی رغبت رکھنے والے تھے۔ (رواہ ابوداؤد فی الزہد)

ابوواقد لیثی کہتے ہیں کہ ہم نے اعمال کو ٹٹولا تو دنیا سے بے رغبتی سے بڑھ کر کوئی چیز طلب آخرت کے لئے کارگر نہیں پائی۔ (رواہ ابوداؤد فی الزہد)

زہد کو لازم پکڑو

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ مجھ سے امام شافعی نے کہا: اے ربیع تم زہد کو لازم پکڑو اس لئے کہ زہد، زاہد کے لئے اس سے زیادہ خوبصورت ہے جتنا کہ زیور کسی جوان عورت کے جسم پر ہوتا ہے۔ (ابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر آپ تیزی سے نکلے، آپ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول کیا بات ہے کہ آپ مسجد سے تیزی سے نکلے، آپ نے فرمایا میرے پاس سونے کا ایک ڈلا تھا، میں نے یہ ناپسند کیا کہ وہ میرے پاس رات بھر رہے، آپ ﷺ نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری فی الزکوۃ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے ہیں آخرت میں وہی بہت کم مال والے ہوں گے سوائے اس شخص کے جو اپنا مال اس طرح اور اس طرح خرچ کرے ابومعاویہ (راوی) نے اپنے ہاتھ سے دائیں بائیں اشارہ کیا۔ (مسلم فی الزہد، بخاری فی الرقائق)

حضرت فاطمہؓ نے ایک روٹی کا ٹکڑا حضور ﷺ کو پیش کیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں آپ نے فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا

میں نے ایک روٹی بنائی تھی جب تک ٹکڑا آپ کے پاس لے نہیں آئی مجھے قرار نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ تین دن میں پہلا کھانا ہے جو تمہارے باپ کے منہ میں جا رہا ہے۔ (اسنادہ حسن اخرجہ الشیخ فی اخلاق النبی ﷺ ص:۲۹۸)

سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ کو پیٹ بھر ردی کھجور بھی میسر نہیں تھی اور لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر انواع واقسام کی کھجوریں، مکھن اور کپڑے میسر نہ ہوں تو وہ خوش نہیں رہتے ہیں۔ (رواہ مسلم فی الزہد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آل محمد ﷺ نے آپ کی وفات تک کبھی تین رات مسلسل گیہوں کی روٹی پیٹ بھر نہیں کھائی۔ (بخاری فی الرقائق، مسلم فی الزہد)

حضور ﷺ کی زندگی صبر وقناعت پر گزری

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہمارے اوپر ایک نیا چاند گزر جاتا پھر دوسرا نیا چاند گزر جاتا پھر تیسرا چاند گزر جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں آگ نہ جلائی جاتی، میں نے کہا: اے خالہ پھر آپ لوگوں کی گزر بسر کس چیز پر ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا یہی دونوں کالی چیزیں یعنی کھجور اور پانی۔ (بخاری، مسلم، احمد) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا دینا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی سوار گرم دن میں سفر کرے پھر وہ دن کی ایک گھڑی میں ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرے پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ) حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ ایک

چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، اس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں تھی، آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ کے پیر کے پاس "سلم" کے درخت کے رنگے ہوئے پتے تھے (جس کے چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے) آپ کے سر کے پاس کچھ کھالیں لٹکی ہوئی تھیں، میں نے چٹائی کے نشانات آپ ﷺ کے پہلو مبارک میں دیکھے تو میں رونے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا تم کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کسریٰ وقیصر زندگی کس طرح گزار رہے ہیں، آپ نے فرمایا: "کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ ان کے لئے دنیا ہو اور تمہارے لئے آخرت"۔ (اخرجہ البخاری فی التفسیر)

عمدہ سامانِ گھر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ایک دوسری سند سے آتی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دعا کریں کہ آپ کی امت کو کشادگی عطا کر دے اس نے فارس اور روم پر کشادگی بخشی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے! یہ سن کر آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور (غصہ سے) فرمایا: اے ابن خطاب کیا تم شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیوں کا بدلہ دنیا کی زندگی میں دے دیا جاتا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الطلاق) حضرت ام درداء کہتی ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ اپنے مہمانوں کے لئے وہ چیزیں چاہیں گے جنہیں لوگ اپنے مہمانوں کے لئے چاہتے ہیں؟ (یعنی عمدہ سامان گھر وغیرہ) انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے سامنے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اس کو وہ لوگ پار نہیں کر سکیں گے جو (مال و دولت سے) بوجھل ہیں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس گھاٹی کو پار کرنے کے لئے ہلکا پھلکا رہوں۔ (صحیح الجامع الصغیر رقم: ۱۹۹۷ء)

سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو دوسروں کیلئے نفع بخش ہو

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وہ رونے لگے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں؟ انہوں نے کہا میں دنیا (چھوڑنے پر) جزع وفزع کرتے ہوئے نہیں روتا ہوں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک چیز کی وصیت کی تھی لیکن میں نے آپ کی وصیت چھوڑ دی وہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں سے اپنے گزر بسر کا سامان اتنا ہی رکھیں جتنا کہ کوئی سوار اپنا توشہ رکھتا ہے جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ان کا ترکہ دیکھا گیا اس کی قیمت صرف تیس درہم تھی۔ (مسند احمد: ۳۴۸/۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوں میں نے دیکھا کہ اس میں زیادہ فقراء داخل ہو رہے ہیں اور نصیب والے (یعنی مالدار) روک دیئے گئے ہیں اور میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوں میں نے دیکھا کہ اس میں زیادہ عورتیں داخل ہو رہی ہیں۔ (اخرجہ البخاری فی النکاح ومسلم فی الذکر والدعاء) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں کنارے دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں وہ دونوں پکار کر کہتے ہیں جسے انسان وجنات کے علاوہ روئے زمین کی ساری چیزیں سنتی ہیں: اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ، جو کم اور گزر بسر کے لئے کافی ہو وہ اس زیادہ (مال) سے بہتر ہے جو (اللہ کے ذکر سے) غافل کردے۔ (مسند احمد: ۱۹۷/۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ آل محمد کو بقدر کفایہ روزی دے'۔ (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص کامیاب ہوا جو اسلام لایا اور بقدر

کفایہ روزی دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس پر قانع بنایا جو اس نے اس کو عطا فرمایا ہے۔ (رواہ مسلم فی الزکوٰۃ) لیکن زہد وقناعت کا مطلب ترک علم وعمل یا رہبانیت اختیار کرنا نہیں ہے، اسلام میں رہبانیت حرام ہے اور علم حاصل کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم مسجد میں بیٹھے رہیں اور اپنی روزی کمانے نہ نکلیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ". "سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہوں"۔

مجاہد فی سبیل اللہ کون

اگر مسلمان کوئی پیشہ اختیار کرے اور وہ لوگوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُتَحَرِّفَ" (طبرانی، بیہقی) اللہ تعالیٰ ایسے مومن کو پسند کرتا ہے جو حرفت والا ہو، بلکہ کوئی شخص اگر اپنے اہل وعیال کے لئے روزی کمانے نکلتا ہے تو وہ اسلام کی نگاہ میں مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں گھاٹی کے راستہ سے ایک شخص نمودار ہوا جب ہم نے اسے دیکھا تو کہا اگر یہ جوان اپنی چستی پھرتی اور اپنی قوت اللہ کی راہ میں لگاتا تو کیا ہی بہتر ہوتا، ہماری بات رسول اللہ ﷺ نے سن لی آپ نے فرمایا: کیا سبیل اللہ سے مراد صرف وہی ہے جو اللہ کی راہ میں مارا جائے (سن لو!) جو اپنے والدین کیلئے محنت کرے وہ اللہ کے راستے میں ہے، جو اپنے بچوں کیلئے محنت کرے وہ اللہ کے راستے میں ہے، جو اپنے لئے محنت کرے تاکہ مانگنے سے بے نیاز رہے وہ اللہ کے راستے میں ہے اور جو مال بڑھانے کیلئے محنت کرے وہ شیطان کے راستے میں ہے۔ (ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور: ۲۶۹/۵)

آپ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رہیں

زہد وقناعت کا مطلب یہ ہے کہ آپ حلال طریقے سے اپنا حصہ اتنا ہی لینے کی کوشش کریں جو آپ کی گزربسر کے لئے کافی ہو اور حرص وطمع چھوڑ دیں جو کہ ظلم، فتنہ وفساد اور بہت سی برائیوں کی جڑ ہے اور یہ سمجھیں کہ یہ دنیا آپ کے لئے پیدا کی گئی ہے اور آپ آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، آپ کے علم کا مقصد حصول آخرت نہ ہو کہ فانی دنیا آپ کی پہچان قناعت، استغناء خودداری اور ایمان داری ہو اور دنیا میں رہ کر آپ آخرت والے کہلائیں، آپ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رہیں اور اللہ کے شکر گزار بندے بنیں یہی مومن کا زہد ہے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پرفتن دور میں مادہ پرستی اور دنیا طلبی سے بچائے اور جنت کا طالب بنائے۔ آمین!

☆☆☆

کم عقلی اور بدفہمی کے مفاسد

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی فرماتے ہیں کہ: میں بیمار تھا۔ بولنے کی اجازت نہیں۔ خاموش بیٹھا رہتا تھا لیکن لوگ مانتے نہ تھے رعایت بھی نہ کرتے تھے اور خفا بھی ہو جاتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ وہ تو اچھے آدمی ہیں لیکن جو پاس رہنے والے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں جانتے ہو یہ سب کیا یہ سب عقل کی کمی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ جب میرے پاس جو لوگ رہتے ہیں وہ ہی اس درجہ بداخلاق ہوں کہ آنے جانے والوں کو ان سے شکایت ہو تو میرا اچھا ہونا ان کے کیا کام آیا اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس نے میرے لوگوں کو برا کہا اس نے گویا مجھے برا کہا۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے اور چلے ہیں اس راستہ کو طے کرنے۔ یہ راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے یہ میں آپ کو حسن معاشرت سکھلا رہا ہوں یہ بھی دین کا ایک جزو ہے۔ معاشرت دو طرح کی ہوتی ہیں ایک حسن معاشرت کہلاتی ہے اور دوسری سوء معاشرت آج دنیا اور ہمارا گھر جو ہمارے لئے دوزخ کا نمونہ ہو رہا ہے تو اسی سوء معاشرت کی وجہ سے۔ اور انسان کی معاشرت اگر خراب ہو تو یہ دلیل ہے اس کی بدفہمی کی اور عقل کی کمی کی۔ پھر اس کے بعد جس بدخلقی میں مبتلا ہو جائیں کم ہے۔

حکایت

بعض ذاکرین اپنے اپنے حالات بیان کرتے لیکن مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ صاحب کچھ بھی نہ بیان فرماتے۔ حضرت نے ایک دن پوچھا کہ آپ کچھ نہیں کہتے؟ مولانا یہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ حضرت حالات وثمرات تو بڑے لوگوں کو ہوتے ہیں مجھ سے تو جتنا کام حضرت نے فرمایا ہے وہ بھی نہیں ہوتا۔

جہاں تسبیح لے کر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے اس قدر گرانی کہ جیسے سو سومن کے پتھر کسی نے رکھ دیا ہو زبان وقلب سب بستہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت کے کامل یا شفیق ہونے میں شبہ نہیں لیکن ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(بدقسمت لوگوں کو رہبر کامل سے کیا فائدہ ہو خضر علیہ السلام سا رہبر کامل سکندر کو آب حیات کے چشمہ سے واپس لاتا ہے کیونکہ سکندر قسمت کا تہی دست تھا۔)

میں ہی بدقسمت ہوں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو۔ یہ حال سنکر بے ساختہ حضرت فرماتے ہیں کہ مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے جو حضور ﷺ کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا اس زمانہ میں مولانا نو آموز طالب علم تھے اس وقت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ اس قدر بڑے عالم ہونے والے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ تم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے جاؤ دین کی خدمت کرو ذکر وشغل کا اہتمام چھوڑ و احمد جام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام محبوب کا دیوانہ ہو سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو۔ سبحان اللہ حالت کو کیسا پہچانا بصیرت کیسی زبردست تھی حضرت کی پہچان غضب کی تھی۔ اللہ اکبر!

حضرت حکیم الامت کا واقعہ

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد کچھ دیر مصلےٰ پر بیٹھے رہتے تھے پھر اٹھ کر تفریح کے لئے جنگل چلے جاتے۔ مقتدیوں نے بھی یہی کرنا شروع کیا کہ وہ سب بھی بیٹھے رہتے جب حضرت اٹھتے سب اٹھ پڑتے اس پر حضرت مولانا بہت خفا ہوئے اور فرمایا میری امامت تو سلام پر ختم ہوگئی زیادہ سے زیادہ دعا میں اقتدا کرلو لیکن اس کے بعد پھر اقتدا کیسی؟ وظیفہ میں بھی آپ لوگ مقتدی اور میں مقتدا کیسے بن گیا۔ فرماتے کہ یہ شرک ہے۔ میں بھی لوگوں سے برابر کہا کرتا ہوں کہ بھائی مجھے بہت سی تکلیفیں رہا کرتی ہیں حتی کہ بعض کا اظہار بھی شرعا جائز نہیں اور نہ سننا شرعاً جائز اس لئے بغیر اجازت اندر نہ آنا چاہئے۔

مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا واقعہ

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ بیان کرتا ہوں۔ بڑے عالم تھے مشائخ میں ان کی خاص شان تھی گنج مرادآباد کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ کوئی مقام صفی پور ہے وہاں کے رہنے والے تھے وہاں کے لوگوں نے حضرت کو پریشان کرکے وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور جب آپ وہاں سے تشریف لانے لگے تو لڑکوں نے پیچھے تالیاں بجائیں جس میں حضرت کا لڑکا بھی تھا۔ وہاں سے چل کر گنج مرادآباد تشریف لائے۔ یہاں ایک خان صاحب تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت

میرا مکان حاضر ہے اس میں قیام فرمائیے پھر بعد میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایسا عروج عطا فرمایا کہ وائسرائے تک آتے تھے اور حضرت پروا تک نہ کرتے تھے۔ حضرت نے دوسری شادی بھی فرمائی تھی جن سے اولادیں بھی ہوئیں اور وہ لڑکا جو مخالفین کے ساتھ تھا وہ پہلی بیوی کا تھا حضرت کے یہاں آتا تھا جب حضرت کی نظر اس پر پڑتی تھی تو بہت خفا ہوتے تھے مگر دوسرے بھائی ان کو لے جاتے اور خاطر کرتے اور کچھ روپیہ وغیرہ دے دلا کر رخصت کر دیتے تھے سمجھتے تھے کہ اسی کے لئے آئے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی دونوں شانیں دیکھیں ایک وہ دن بھی دیکھا جب کہ صفی پور سے نکالے جا رہے تھے اور ایک دن یہ بھی دیکھا کہ ایسی شوکت ایسا دبدبہ کہ جس کو چاہیں اپنے یہاں سے نکال دیں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے شیون کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ۔ ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

دولت کی ناقدری

بوستاں میں ایک حکایت لکھی ہے۔ ایک بزرگ ایک امیر شخص کے یہاں گئے اور اس کے مکان پر ٹھہرنا چاہا اس نے کہا کہ نہیں نہیں یہاں جگہ نہیں ہے۔ یہاں سے جاؤ وہاں سے وہ چلے گئے اور ایک اندھے کے مکان پر گئے۔ وہ بڑے اخلاق سے ملا اور کہا کہ آئیے میرے یہاں ٹھہریئے۔ چنانچہ وہ اس کے یہاں ٹھہر گئے پھر جب جانے لگے تو دعا دی کہ اللہ تجھے روشنی بخشے۔ فوراً اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں تمام لوگوں میں شور ہوگیا۔ لوگوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایسے ایسے ایک صاحب اس کے یہاں ٹھہرے تھے انہوں نے دعا دی اور اس کی آنکھیں درست ہوگئیں۔ اس

امیر کو بھی معلوم ہوا جس کے یہاں وہ بزرگ پہلے گئے تھے بہت افسوس کرنے لگا کہتا تھا ہائے ہائے وہ دولت پہلے میرے ہی گھر آئی تھی مگر میں نے اس کو ٹھکرا دیا۔ دیکھا آپ نے کبھی دولت انسان کے گھر آجاتی ہے لیکن آدمی اپنی جہالت سے اس کی ناقدری کر جاتا ہے۔

حضرت رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کا قصہ

ایک بزرگ تھے وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرایا کرتے تھے مگر ایک ہزار روپیہ لے کر زیارت کراتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے کہا کہ سب کو زیارت کراتے ہیں مجھے بھی حضور ﷺ کی زیارت کرا دیجئے انہوں نے کہا کہ ایک ہزار روپیہ لاؤ تو زیارت کرا دیں گے۔ بیوی نے کہا میں ایک ہزار روپیہ کہاں سے لاؤں؟ آپ دیتے تو میرے پاس ہوتا۔ انہوں نے کہا پھر تو زیارت نہیں ہوسکتی، ایک ہزار کی شرط سب کے لئے ہے جو کوئی دے گا اس کو زیارت ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ وہ بہت مایوس ہوئیں کہ نہ تو ایک ہزار روپیہ میرے پاس ہوگا اور نہ زیارت ہوگی۔

پھر انہوں نے کہا کہ ہاں ایک صورت ہے وہ یہ کہ تم نہا دھو کر کپڑے عمدہ عمدہ بدلو اور سرمہ مسی وغیرہ لگاؤ۔ انہوں نے کہا کہ خیر ٹھیک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے کپڑے وغیرہ بدل لوں تو کیا حرج ہے جب انہوں نے کپڑے وغیرہ بدل لئے تو وہ بزرگ جا کر ان کے بھائی کو بلا لائے اور کہا کہ دیکھئے اپنی بہن کو کہ بڑھاپے میں آخر یہ کیا سوجھی ہے کہ دلہن بنی بیٹھی ہیں؟ یہ سن کر بیوی صاحبہ کو بہت صدمہ ہوا اور کہا کہ آپ نے محض مجھ کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے یہ سب کیا ہے۔ اور رونے لگیں یہاں تک کہ نیند آگئی بس اسی میں تصرف کر دیا اور ان کو زیارت ہوگئی۔

(حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

بے زبان و بے سہارا مخلوق کے حال پر نظر کرم

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بازار میں ایک چڑیا کو پنجرے میں تڑپتا دیکھ کر خرید لیا اور اس کو آزاد کر دیا۔ چڑیا اڑ گئی لیکن اپنے ہم جنسوں کی طرح اپنا کام بن جانے کے بعد بے رخ ہو کر نہیں اڑ گئی۔ وہ چڑیا ہر روز حضرت سفیان ثوری کے گھر آتی، آپ رات بھر نماز پڑھتے رہتے اور وہ دیکھتی رہتی اور کبھی کبھی آپ کے جسم مبارک پر بیٹھ جاتی، یہاں تک کہ اس محبت آمیز سلوک کو ایک عرصہ گزر گیا اور حضرت سفیان ثوری دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کا جنازہ اٹھا۔ وہ چڑیا نہایت بے قراری کے ساتھ اپنی زبان میں فریاد کرتی تھی اور بار بار جنازے پر لوٹتی تھی۔ اور لوگ یہ حال دیکھ کر ہائے ہائے کر کے روتے تھے۔ جب آپ کو دفن کیا گیا۔ تو وہ معصوم چڑیا اپنے آپ کو قبر کی خاک پر بار بار پٹکتی، یہاں تک کہ قبر سے آواز آئی کہ حق تعالیٰ نے سفیان کو بخش دیا اس شفقت و محبت کی برکت سے جو مخلوق کے حال پر فرماتے تھے“۔

اس کے بعد وہ چڑیا اپنے زخمی جسم اور ٹوٹے پھوٹے بازوؤں کو سنبھالتی ہوئی اڑ گئی، فضائے بسیط میں جو باوفا غلاموں اور اولوالعزم ساکنان ارضی کی پرواز کے لئے مناسب جگہ ہے۔ شاید وہ اپنے محسن حقیقی کے فرستادوں کی طرف سے اپنے محسن مجازی کے حق میں اس خوش خبری کو سننے کی منتظر تھی جس کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں ہوا ہے اور جس سے زیادہ خوشی کی بات اس بے زباں مخلوق کے لئے اور ہو بھی کیا سکتی تھی یا سفیان ثوری کے بڑے سے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ کے لئے مغفرت اور قبولیت خداوندی کی خوش خبری سے بڑھ کر نعمت عظمیٰ کا تصور اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟

لیکن ہمارے اور آپ کے حق میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک معمولی سی چڑیا کے دل میں اپنی آزادی اور بے بسی سے چھٹکارے کی اتنی بڑی قیمت ہے کہ زندگی بھر

اپنے نجات دہندہ پر نچھاور رہی، اس کی دید و شنید کے لئے شب و روز پلکیں بچھائے رہی۔ آفریں ہے اس ننھی سی ناسمجھ جان پر کہ اپنے محبوب کی موت کے بعد بھی خود کو اس کی میت اور قبر پر تصدق کرتی رہی۔ ایک حقیر مخلوق کو شعور و وجدان اور احساس مروت کا اتنا بڑا خزانہ، جاں نثاری اور Attachment کا اتنا بڑا بہانہ اور پہاڑ عطا ہو سکتا ہے جو بہر حال اپنی جگہ پر ایک نمونہ اور مثال ہے تو پھر ہم تو اشرف المخلوقات اور خیر الامم ہیں، کیا ہمیں اپنے محسن حقیقی اپنے محبوب خالق و مالک اور اس کے پیغامات اور احکامات کو قبول و عمل کی صورت میں پہونچانے والی معزز و مکرم ہستیوں سے ویسی والہانہ اور عاشقانہ محبت نہیں ہو سکتی جو اس چھوٹی سی مخلوق کے ننھے سے دل میں موجزن تھی اور کیا سلف و صالحین کے کردار کی جھلکیاں ہماری عبرت و موعظت کے لئے کچھ بھی نہیں؟؟ یقیناً ہیں اور بہت کچھ ہیں، کاش مثبت انداز میں ہمیں بھی سوچنے اور سمجھنے کی توفیق حاصل ہو جائے اور اپنے حساس ترین احساسات کو جگانے کے لئے ہم سب تیار بھی تو ہو جائیں۔ (بحوالہ تزکیہ نقوش، ص:۱۱۱، اعظم گڑھ یوپی)

جب بزرگوں کے گھر کے پالتو جانور بھی سمجھدار ہوتے تھے

تین مختصر واقعات ذہن میں سوچ اور قلب میں چبھن پیدا کرنے والے کاش مجھے اور میرے مقتدر احباب کو مثبت انداز میں سوچنا اور دل جلوں کی طرح محسوس کرنا نصیب ہو جائے۔

۱- نفحات الانس میں لکھا ہے کہ خواجہ اخی فرخ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۷ھ مرید خواجہ ابو العباس نہاوندی کی ایک بلی تھی۔ خانقاہ میں جتنے لوگ مہمان ہوتے بلی اتنی دفعہ آواز نکالتی تھی جس سے باورچی کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کتنے مہمان ہیں اور ہر مہمان کے لئے باورچی دیگ میں ایک پیالہ ڈال دیتا تھا۔ ایک دن بلی کی آوازوں سے

مہمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی یعنی ایک مہمان زیادہ ہوگیا۔لوگ حیران ہوئے کہ آج بلی کو کیا ہوگیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی بلی جماعت کے درمیان آئی اور ہر ایک کو سونگھتی ہوئی جارہی تھی حتی کہ ایک آدمی کے پاس جب آئی تو اس پر پیشاب کردیا۔دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ آدمی بے دین تھا ایک دفعہ خادم نے دیگ میں دودھ ڈال کر کھیر تیار کی ۔اتفاق سے ایک سانپ اس کے اندر گر گیا اور بلی کے سوا کسی نے نہ دیکھا۔اب بلی دیگ کے گرد گھوم رہی تھی اور بے قراری سے آوازیں دے رہی تھیں لیکن اس کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جب بلی نے دیکھا کہ لوگ کچھ نہیں سمجھ سکے تو دیگ میں کود گئی اور فوراً مرگئی۔ جب انہوں نے دیگ الٹی تو سانپ باہر جا پڑا۔اخی زنجانی نے فرمایا: اس بلی نے اپنی جان درویشوں پر قربان کردی ہے۔اب اس کی قبر بنانی چاہئے تاکہ لوگ زیارت کو آئیں۔ چنانچہ قبر بنائی گئی اور بلی کو اس کے اندر دفن کیا گیا اور آج تک وہ قبر موجود ہے اور لوگ زیارت کرتے ہیں اور بلی کا حال دریافت کرتے ہیں۔خواجہ اشرف جہانگر سمنانی نے بھی یہ واقعات لطائف اشرفی میں لکھے ہیں۔

۲- شیخ احمد غزالی (برادر محترم امام غزالی) کا جب وقت آخیر آیا تو آپ کے گھر کی سواری کے جانوروں (گھوڑوں وغیرہ) نے رسیاں توڑ ڈالیں اور گھر سے بھاگ نکلے۔آپ کو اس صورت حال کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ”جب ہم نیچے اتر آئے تو جس کی مرضی آئے ان پر سوار ہو“۔

۳-خواجہ عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۳ھ ، مدفن نیشاپور، آپ کا مزار ابوعثمان حریری اور ابوعثمان نصبی کے جلو میں ہے۔ابوعلی کاتب اور ابویعقوب نہر جویری کے صحبت یافتہ ہیں) فرماتے ہیں: میرے پاس شکار کھیلنے کے لئے ایک گھوڑا اور ایک کتا تھا۔میرے پاس ایک لکڑی کا پیالہ بھی تھا جس میں میں دودھ پیتا تھا۔ایک دن میں نے اس پیالے میں دودھ پینا چاہا لیکن کتے نے بہت زیادہ شو مچادیا۔ یہاں تک

جوش جذبات میں مجھ پر حملہ آور بھی ہوگیا۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی زبان سے مجھے کوئی تنبیہ یا ہدایت کرنا چاہتا ہے جسے میں سمجھ نہیں پارہا تھا بالآخر میں دودھ نہ پی سکا۔ میں نے دوسری اور تیسری بار کوشش کی لیکن عین وقت پر کتا مجھ پر جھپٹنے لگتا اور دودھ پینے میں رکاوٹ کھڑی کردیتا۔ یہاں تک کہ خود اس نے پیالے میں منہ ڈال کر دودھ پینا شروع کردیا۔ دودھ پیتے ہی کتے نے قے کی اور مرگیا۔ بعد میں کچھ شواہد سے پتہ چلا کہ دراصل کتے نے دیکھ لیا تھا کہ کسی سانپ نے دودھ پیتے ہوئے پیالے میں زہر ڈال دیا ہے۔ کتنے نے اپنے آپ کو مجھ پر فدا کردیا۔اس بات سے مجھے بڑی عبرت حاصل ہوئی ایک مالک مجازی کے حق میں ایک حقیر جانور کی وفاداری، ایثار اور فرض شناسی نے مجھے بے حد متاثر کیا اور میں نے راہ سلوک اختیار کیا۔

صوفیاء کی صحبت میں صحیح بات کو سمجھنے کی توفیق

مجمع الخیار میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے دریافت کیا کہ آپ نے شیخ رکن الدین ابوالفتح کی کبھی کوئی کرامت بھی دیکھی؟ تو مولانا نے جواب دیا کہ ”جمعہ کے دن لوگوں کا بڑی کثرت سے آپ کی زیارت کرنا ہی ایک بڑی کرامت ہے جب کہ مجھے لوگ عالم فاضل کہتے ہیں لیکن میرے پاس کوئی نہیں آتا۔ میں نے یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ کل شیخ کے پاس جاکر یہ مسئلہ پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو جو سنت قرار دیا گیا ہے تو اس میں کیا راز ہے؟ چنانچہ رات کو خواب کی حالت میں شیخ سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے حلوہ کھلایا جس کی حلاوت بیدار ہونے کے بعد بھی تمام دن میں محسوس کرتا رہا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر کرامت یہی ہے تو شیطان بھی اس طرح کے کرشمے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ (یعنی اس طرح کی باتوں کا

کرامت سے کوئی تعلق نہیں) چنانچہ میں نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کرلیا کہ کل سویرے جا کر یہ مسئلہ ضرور پوچھوں گا، غرض یہ کہ دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ (بڑا اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے) میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا اور پھر خودہ اس طرح تقریر شروع فرمائی: ناپاکی کی ۲قسمیں ہیں، ایک ناپاکی بدن اور دوسرا ناپاکی دل۔ بُرے لوگوں کی صحبت سے اور عورت سے مجامعت کے بعد جس ناپاکی کے اثر سے بدن ناپاک ہوتا ہے وہ وضو اور غسل سے ختم ہوجاتی ہے لیکن دل کی ناپاکی آنسوؤں سے دُھلتی ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ پانی کے اندر تین اوصاف ہوں گے تب وہ طاہر اور مطہر ہوگا اور وہ رنگ، مزہ اور بو ہیں۔ شریعت نے وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی لئے مقدم رکھا تاکہ کلی کرنے سے پانی کا مزہ اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہوجائے۔ جب شیخ نے یہ تقریر فرمائی تو میرے جسم سے پسینہ بہنے لگا''۔

☆☆☆

تاج الاولیاء بابا تاج الدین ناگپورؒ

ولادت اور بچپن: ۲۷/جنوری ۱۸۶۲ء مطابق ۲۶/رجب المرجب ۱۲۷۶ھ گورا بازار کامٹی چھاؤنی، ناگپور والدہ محترمہ کا نام مریم، والد محترم کا نام سید بدرالدین، ۷ برس کی عمر میں والدین کے سایہ عاطفت سے محرومی ہوئی۔ ماموں سید ابراہیم صاحب نے پرورش کی ذمہ داری سنبھالی، ان کے بعد نانا سید میراں صاحب نے پرورش اور تعلیم کی ذمہ داری نبھائی۔ اسی دوران حضرت بابا عبداللہ شاہ کامٹوی سے روحانی فیوض و برکات کی حصولیابی کی صورت پیدا ہوئی۔

محنت ومجاہدہ

تیرہ سال کی عمر میں آپ نے کامٹی سے اچانک بستر کے جنگل میں قیام کا فیصلہ کیا، یہ پانچ سال کی مدت پر مشتمل ہے۔ ۱۸۷۴ سے ۱۸۷۸ء تک شمار کیا جاتا ہے، اس دوران آپ ریاضت وعبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ (بستر چھتیس گڑھ کا مشہور جنگل ہے)۔

فوجی ملازمت کا دور

بستر کے جنگل سے آپ کامٹی لوٹے اور اپنے ماموں عبدالرحمٰن صاحب کے مشورہ پر خاندانی پیشہ سپہ گری اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ سال ۱۸۸۱ء کا تھا۔ آپ

برٹش آرمی کے نامور ٹکڑی مدراس بٹالین میں شامل ہوئے، بعد میں آپ کا تبادلہ ساگر چھاؤنی میں ہو گیا۔ ۱۸۸۶ء میں آپ نے فوجی ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ساگر میں آپ کا قیام تین سال رہا۔ یہ جگہ پیلی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے اور جس جگہ آپ عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے وہاں پر موجود ایک تاریخی درخت بھی موجود ہے۔ ان دنوں حالتِ جزب وجلال میں آپ ''ساگر'' شہر کا گشت لگایا کرتے، ملازمت سے سبکدوشی بھی غالباً اسی مغلوبیت اور محوبیت کی بنا پر ہوئی ورنہ اس زمانہ میں ایسی اچھی ملازمت پر جس میں ترقی کے کافی امکانات تھے لات مارنے کی کوئی اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

کامٹی میں دوبارہ قیام

۱۸۸۶ء میں فوجی ملازمت سے سبکدوشی کی خبر سن کر آپ کی نانی جان نے آپ کو ساگر سے کامٹی بلوالیا۔ یہاں بھی آپ پر جذب وجلال کا غلبہ طاری رہتا اور جہاں چاہتے اپنی مرضی سے کامٹی کے مختلف علاقوں کا گشت لگاتے رہتے۔

آپ کی گرفتاری

ناگپور کا علاقہ اس دور میں راجہ رگھو ویر راؤ کے زیر تسلط تھا جو دیسی ریاستوں (Native-States) میں ایک ممتاز ریاست تھی اور مراٹھوں کے ایک نامور خاندان ''بھونسلے'' کی عملداری میں تھی۔ ۱۸۸۲ء میں بعض غیر ذمہ دارانہ اطاعات کی بنیاد پر (شاید پر اسرار اور مشکوک نقل وحرکت کی بنا پر) انگریزوں کی ایما پر (جن کا Resident ہر دیسی ریاست کی راجدھانی میں متعین تھا) آپ کو کامٹی کلب کے احاطے سے گرفتار کرلیا گیا اور آپ کی جذبی کیفیات کو دماغی عارضہ سمجھ کر ناگپور مینٹل

ہاسپٹل روانہ کر دیا گیا بہت جلد علاج کے دوران ڈاکٹروں نے حکام کو اطلاع دی کہ انہیں دماغی عارضہ نہیں ہے، بہر حال اس اسپتال میں آپ کی تشریف آوری نے عوام وخواص کے حق میں عمومی فیض یابی کا ایک نیا باب کھلنے پر مجبور کر دیا اور بڑی تعداد میں لوگ وہاں زیارت اور دعاء کے لئے پہنچنے لگے۔ ایک لمبی مدت تک یعنی ۱۹۰۸ء تک فیض عام جاری رہا۔

شاہی مہمان کی حیثیت سے قلعہ میں داخلہ

چونکہ خود راجہ رگھو ویر راؤ بھونسلے آپ کا خاص معتقد تھا اور کسی ایسے منصوبہ کا امیدوار تھا جس سے آپ کا قرب اور محبت اسے زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جیسے ہی انہیں ہوسپٹل سے Release ملا راجہ رگھو ویر راؤ نے انہیں قلعہ کے شاہی مہمان خانے پہنچانے کے انتظامات کر دئے اور آپ بھونسلہ خاندان کے مہمان خاص بن گئے۔

کاشی ناتھ پٹیل جی کی مہمان داری

قلعہ شاہی سے نکلنے کے بعد اپنے ایک ہندو عقیدت مند کاشی ناتھ پٹیل کے مہمان بن کر طویل زمانہ بسر کیا جو ادنٰی حیثیت کے سرکاری مال گذار تھے اور ناگپور کے مفاضات میں واکی تحصیل ساونیر کے مقام پر رہتے تھے۔ وہاں ان کے دور کے باقیات میں باڑہ، مدرسہ، مسجد اور کاشی ناتھ کا ذاتی مکان وغیرہ آج بھی قائم ہیں اس کے علاوہ کچھ مستقل اشیاء بعض تبرکات اور ان کا حجرہ بھی ساتھ ہی ساتھ دربار کے نام سے آپ کا مقبرہ (متعلقہ اوقاف Trust کے ساتھ) مرجع خلائق ہے۔ اس علاقے میں اس کامل فقیر کے ساتھ کاشی ناتھ پٹیل نام کے ہندو عقیدت مند کی جانثاری بھی

کافی مشہور ہے، کاشی ناتھ کے بعد ان کے اہل خاندان میں متعدد افراد (پروشتم ڈھاکے اور اس وقت گیا نیشور ڈھاکے، پربھا کر ڈھاکے، رتنا کر ڈھاکے اور گوپال ڈھاکے) بھی حضرت بابا تاج الدین کے پیغام محبت اور رواداری پر قائم ہیں۔

وصال

۱۸/اگست ۱۹۲۵ء کو آپ راہی ملک عدم ہوئے جنازہ میں بلاتفریق مذہب وملت ہزاروں لوگ شریک ہوئے جہاں مقبرہ ہے وہ اس وقت غیر آباد علاقہ تھا، اب تاج آباد کے نام سے زیارت گاہ خلائق بن چکا ہے۔

☆☆☆

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں کہ: ان کو قید کیا گیا، قید خانے میں چلے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، پہن لیں، اس عالم میں بغداد سے طرطوس لے چلے اور حکم دیا گیا کے بغیر کسی مدد کے خود اونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی سے اتریں، اس کو بھی قبول کر لیا۔ عین رمضان المبارک کے عشرہ آخر میں جس کی طاعات اللہ کو تمام دنوں کی طاعات سے زیادہ محبوب ہے، بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے اور اس پیٹھ پر جو علوم معارف نبوت کی حامل تھی، لگاتار کوڑے اس طرح مارے گئے کہ ہر جلاد دو ضربیں پوری قوت سے لگا کر پیچھے ہٹ جاتا اور پھر نیا تازہ دم جلاد اس کی جگہ لیتا، اس کو بھی خوشی خوشی برداشت کر لیا، مگر اللہ کے عشق سے منہ نہ موڑا اور راہ سنت سے منحرف نہ ہوئے، تازیانے کی ہر ضرب پر بھی جو صدا زبان سے نکلتی تھی وہ نہ تو جزع وفزع کی تھی اور نہ شور وفغاں کی، بلکہ وہی تھی جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا، یعنی ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق''۔ اللہ اللہ! یہ کیسی مقام دعوت کبریٰ کی خسروی وسلطانی تھی اور وراثت ونیابت نبوت کی ہیبت وسطوت کہ خود معتصم باللہ جس کی ہیبت ورعب سے قیصر وروم لرزاں وترساں رہتا تھا۔ سر پر کھڑا

تھا، جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا ''اے احمد! واللہ میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں جس قدر اپنے بیٹے (ہارون الواثق باللہ) کے لئے شفیق ہوں۔ اگر تم خلق قرآن کا اقرار کرلو تو قسم خدا کی ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں''۔ لیکن اس پیکرِ حق، اس مجسمہ سنت، اس مرید بالروح القدس، اس صابر اعظم، ''کما صبر اولوالعزم من الرسل'' کی زبان صدق سے صرف یہی جواب نکلتا تھا ''اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دو یا اس کے رسول کا کوئی قول پیش کر دو تو میں اقرار کرلوں اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا!

امام موصوف کو جب قید کر کے طرطوس روانہ کیا گیا تو ابوبکر الاحول نے پوچھا ''اگر تلوار کے نیچے کھڑے کر دئے گئے تو کیا اس وقت مان لوگے؟ کہا ''نہیں'' ابراہیم مصعب کوتوال کہتا ہے کہ میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد ابن حنبل سے بڑھ کر بارعب نہ پایا۔ ہم عمالِ حکومت ان کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ بالکل حق ہے جن لوگوں کی نظروں میں جلال الٰہی سمایا ہو، وہ مٹی کی ان پتلیوں کو جنہوں نے لوہا تیز کر کے کاندھے پر ڈال رکھا ہے، بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لیپ لیا ہے، کیا چیز سمجھتے ہیں؟ ان کو خود اقلیم عشق الٰہی کی سروری وشاہی اور شہرستانِ صدق وصفا کا تاج وتخت حاصل ہے۔

ابوالعباس الرقی سے حافظ ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ جب رقہ میں امام موصوف قید تھے تو علماء کی ایک جماعت گئی اور اس قسم کی روایات ونقول سنانے لگی جن سے بہ خوف جان تقیہ کر لینے کی رخصت نکلتی ہے۔ امام موصوف نے سب سن کر جواب دیا ''یہ تو سب کچھ ہوا مگر بھلا اس حدیث کی نسبت کیا کہتے ہو کہ جب صحابہ نے حضور سرور کائنات ﷺ سے مظالم وشدائد کی شکایت کی تو فرمایا ''تم سے پہلے ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن کے سروں پر آرہ چلایا جاتا تھا اور جسم لکڑی کی طرح چیر ڈالے

جاتے تھے، مگر یہ آزمائشیں بھی ان کو حق سے نہیں پھرا سکتی تھیں''۔ ابوالعباس الرقی کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ بات سنی تو مایوس ہو کر چلے آئے کہ ان کو سمجھانا بے کار ہے یہ اپنی بات سے پھرنے والے نہیں۔

یہ جو میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ عزیمت دعوت، تو یہ ہے عزیمت دعوت اور یہ ہے وراثت ونیابت مقام ''**فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل**'' کی اور یہ ہے کہ خاصہ مرتبہ عظیمہ **من یجدد لھا دینھا**۔

ان ایام فتن کا صبر اعظم واکبر جن کی نسبت ترمذی کی روایت میں فرمایا: ''اَلصَّبْرُ فِيهِنَّ كَالْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ'' تو یہی وہ لوگ ہیں جو اگر ہیں تو گوشۂ رخصت وبیچارگی میں امن وعافیت کے پھول چن سکتے ہیں لیکن وہ پھولوں کو چھوڑ کر دہکتے ہوئے انگارے پکڑ لیتے ہیں مانا کہ ضعیفوں اور درماندوں کے لئے رخصت گلوخلاصی کی راہیں بھی کھلی رکھی گئی ہیں لیکن اصحاب عزائم کا عالم دوسرا ہے، ان کی ہمت عالی بھلا میدانِ عزیمت کو چھوڑ کر تنگنائے رخصت وضعف میں پناہ لینا کب گوارہ کر سکتی ہے۔ جوانان ہمت اور مردان کارزار اس ننگ کو کیوں قبول کرنے لگے کہ کمزوروں ار درماندوں کی لکڑی کا سہارا پکڑیں؟ جن کے لئے اس میں سلامتی ہے ہوا کرے، مگر ان کے لئے تو ایسا کرنا ہمت کی موت ہے، ایمان کی پامالی ہے اور عشق کی جبین عزت کے لئے داغ ننگ وعار سے کم نہیں۔ رخصت وعزیمت کی تفریق اور اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز اصحاب عمل کے لئے ہے نہ کہ اصحاب عشق کے لئے۔ عشق کی راہ ایک ہی ہے اور اس میں جو کچھ ہے عزیمت ہی عزیمت ہے۔ ضعف وبے چارگی کا تو ذکر ہی کیا؟ وہاں رخصت کا نام لینا بھی کم از معصیت نہیں۔

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب معتصم باللہ نے جلادوں کو ضرب تازیانہ کے لئے حکم دیا تو وہ علماء اہل سنت بھی دربار میں موجود تھے جو شدت محن ومصائب کی

تاب نہ لا سکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے۔ ان میں سے بعض نے کہا ''خود تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے ایسی ہٹ کی جیسی تم کر رہے ہو؟ امام احمد کہا'' یہ تو دلیل نہ ہوئی۔ اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دو یا اس کے رسول کا کوئی قول پیش کرو تو میں اقرار کرلوں، اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔ عین حالت صوم میں کہ صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ رکھ لیا تھا تو تازہ دم جلادوں نے پوری قوت سے کوڑے مارے، یہاں تک کہ تمام پیٹھ زخموں سے چور ہوگئی۔ اور تمام جسم خون سے رنگین ہوگیا۔ خود کہتے ہیں کہ جب ہوش آیا چند آدمی پانی لائے اور کہا پی لو مگر میں نے انکار کر دیا کہ روزہ نہیں توڑ سکتا۔ وہاں سے مجھ کو اسحاق بن ابراہیم کے مکان میں لے گئے۔ ظہر کا وقت آ گیا تھا۔ ابن سماعہ نے امامت کی اور میں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ابن سماعہ نے کہا'' تم نے نماز پڑھی حالانکہ خون تمہارے کپڑوں میں بہہ رہا ہے'' یعنی دم جاری وکثیر کے بعد طہارت کہاں رہی؟ میں نے جواب دیا'' ہاں! مگر میں نے وہی کیا جو حصرت عمر رضی اللہ عنہ نے (قاتلانہ حملے کے بعد) کیا تھا۔ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور قاتل نے زخمی کیا مگر اسی حالت میں انہوں نے نماز پوری کی۔

امام موصوف کے لڑکے عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد ہمیشہ کہا کرتے'' خدا ابوالہشیم پر رحم کرے، خدا ابوالہشیم کو بخش دے''۔ میں نے ایک دن پوچھا ابوالہشیم کون ہے؟ کہا جس دن مجھ کو سپاہی دربار میں لے گئے اور کوڑے مارے گئے تو جب ہم راہ سے گزر رہے تھے، ایک آدمی مجھ سے ملا اور کہا'' مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں مشہور چور اور عیار ابوالہشیم حداد ہوں۔ میرا نام شاہی دفتر میں ثبت ہے۔ بارہا چوری کرتے پکڑا گیا اور بڑی بڑی سزائیں جھیلیں صرف کوڑوں ہی کی مار اگر گنوں تو سب ملا کر اٹھارہ ہزار ضربیں تو میری پیٹھ پر ضرور پڑی ہوں گی۔ اسکے باوجود میری استقامت کا یہ حال ہے کہ اب تک چوری سے باز نہ آیا۔ جب کوڑے کھا کر قید خانے سے نکلا سیدھا چوری

کی تاک میں چلا گیا۔ میری استقامت کا یہ حال شیطان کی طاعت میں رہا ہے۔ دنیا کی خاطر۔ افسوس تم پر، اگر اللہ کی محبت کی راہ میں اتنی استقامت بھی نہ دکھلا سکو اور دین حق کی خاطر چند کوڑوں کی ضرب برداشت نہ کرو، میں نے جب یہ سنا تو اپنے جی میں کہا اگر حق کی خاطر اتنا بھی نہ کر سکے جتنا دنیا کی خاطر ایک چور اور ڈاکو کر رہے ہیں تو ہماری زندگی پر ہزار حیف اور ہماری خدا پرستی سے بت پرستی لاکھ درجہ بہتر۔

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

حافظ ابن جوزی نے محمد ابن اسماعیل کا قول نقل کیا ہے'' احمد ابن حنبل کو اسی کوڑے ایسے سخت مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو چیخ اٹھتا مگر اس کوہ عزم ثبات نے اف تک نہ کی۔ جب تک ہوش رہا، ہر ضرب پر یا تو وہی جملہ زبان سے نکلتا رہا جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔

''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' اور یا یہ آیت کریمہ "لن يصيبنا الا ما كتب الله لنا"

امام احمد کو استقامت وثبات کی آزمائشیں لگاتار چار بادشاہوں نے کیں مامون، معتصم اور واثق نے ضرب وحبس سے آزمائش کی اور متوکل نے تعظیم وتکریم اور عطاو بخشش دنیا سے۔ لیکن ان کی استقامت عشق حق پر نہ تو خوف دنیا غالب آیا اور نہ طمع دنیا، دونوں کسوٹیوں پر ان کا سونا یکساں طور پر کھرا نکلا۔ مامون و معتصم اور واثق نے جو کچھ کیا وہ معلوم ہے۔ جعفر المتوکل کا یہ حال ہے کہ اس کی خلافت بدعت وارباب بدعت کے زوال وخسران اور سنت واصحاب حدیث کے امن وعروج کا علان عام تھی۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ متوکل باللہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا کہ کس طرح پچھلے مظالم کی تلافی کرے۔ ایک بار اس نے ۲۰ ہزار سکے بھیجے اور دربار میں بلایا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم بھیجا اور سخت اصرار کیا کہ اس کو قبول کر لیجئے لیکن ہر مرتبہ

امام موصوف نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا میں اپنے مکان میں اپنے ہاتھ سے اس قدر کاشتکاری کرلیتا ہوں جو میری ضروریات کے لئے کافی ہے اس بوجھ کو اٹھا کر کیا کروں گا؟ کہا گیا کہ اپنے لڑکے کو حکم دیجئے وہ قبول کرلیں۔ فرمایا وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ لیکن جب عبداللہ سے کہا گیا تو انہوں نے بھی واپس کردیا۔ آخر مجبور ہو کر لانے والوں نے کہا کہ خود نہیں رکھنا چاہتے تو امیر المومنین کا حکم ہے کہ قبول کرلیجئے اور فقراء ومساکین کو بانٹ دیجئے۔ فرمایا ''میرے دروازے سے زیادہ تو امیر المومنین کے محل کے نیچے فقیروں کا مجمع رہتا ہے۔ فقیروں ہی کو دینا ہے تو وہیں دیدیا جائے، اس ہنگامے کی یہاں کیا ضرورت ہے''۔

ان کے لڑکے راوی ہیں کہ جب خلیفہ متوکل ان کی تعظیم وتکریم میں حد درجہ غلو کرنے لگا تو انہوں نے کہا ''یہ معاملہ تو گذشتہ معاملہ سے بھی کہیں زیادہ میرے لئے سخت ہے۔ وہ دین کے بارے میں فتنہ تھا، یہ فتنۂ دنیا ہے۔ یعنی مصائب ومحن کی آزمائش کہیں زیادہ پر امن ہے۔ بہ مقابلہ آزمائش نعیم دنیا ودعوت طمع وترغیب کے، اور یہ بالکل حق ہے، کتنے ہی شہسواران ثبات واستقامت ہیں جو پہلے میدان آزمائش سے تو صحیح وسلامت نکل گئے مگر دوسری راہ سامنے آئی تو اول قدم ہی میں ٹھوکر لگی حالانکہ مرد کامل وہ ہے جس پر '' یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمْعاً '' کا مقام ایسا طاری ہو جائے کہ دنیا کا خوف اور دنیا کی طمع دونوں قسم کے حربے اس کیلئے بالکل بے کار ہو جائیں۔

جو اس امام کے قدم چلا اس نے سنت کو پایا اور جس نے اس کی راہ چھوڑی اس نے سنت رسول ومنہج اصحاب رسول سے انحراف کیا۔ یہ کیا تھا کہ بڑے بڑے ائمہ عصر کو اعتراف کرنا پڑا ''اگر کسی کو دیکھو کہ امام احمد سے محبت رکھتا ہے تو جان لو کہ صاحب سنت ہے'' خطیب نے (مورخ خطیب بغدادی نے) تاریخ میں ہمدانی کا قول نقل کیا ہے'' اسی کسوٹی پر مسلم کو زندیق سے پرکھا جائے گا''۔ (ماخوذ از تذکرہ) ☆☆

عشق میں ڈوبے اشعار

من ندامت بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
عاشق شوریدہ ام یا عشق باجانانہ ام

میں نہیں جانتا ہوں کہ میں شراب ہوں یا شراب سے لبریز پیمانہ۔ شوریدہ سر عشاق ہوں یا محبوب کے وجود سے پیوست عشق جہاں سوز

مبتلائے حیرتم جاں گوئمت با جانِ جاں
اصطلاح شوق بسیارست ومن دیوانہ ام

اے جان جہاں! اپنے عشق کی کیفیت بیان کرنے سے میرا وجود قاصر اور حیرت زدہ ہے اسلئے کہ ذوق وشوق کی کثرت اور فراوانی میں بھی دیوانہ وبے خود ہوں۔

میلِ ہر عنصر بود سوء بہ حق را اصلیش
جذبۂ اصل است ایں سرشورش مستانہ ام

کسی بھی وجود کے عناصر ترکیبی کے ہر عنصر کا میلان حق کی طرف ہوتا ہے جو اس کا اصل اور مرکز ہوتا ہے۔ مستی اور ذوق وشوق سے بھرے میرے سر میں بھی اصلیت وحقیقت کو پانے کا جذبہ موجود ہے۔

شوق موسیٰ در ظہور آورد نار طور را
در نہاد طبع آتش می زند پروانہ ام

حضرت موسیٰ کا شوق طلب جلوہ طور کے ظہور کا سبب بنا۔ میرے باطن کی وسعتوں میں بھی معرفت کی ایک آگ روشن ہے جس کے گرد میرا وجود پروانہ کی مانند جگر لگا رہا ہے۔

اے امیں بری ستم نام تجدد تہمت است
در ازل پیش از ماں تعمیر دیمخانہ ام

اے امین! معارف کے بیان میں ایک نیا طرز اختیار کرنے (ایک نئے انداز کی بات پیدا کرنے) کا الزام مجھ پر تہمت کے بطور ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ روز ازل میں ہی میرے عشق ومعرفت کا میخانہ تعمیر ہو چکا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۱۷۰۳ میں موضع پھلت ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے ممتاز عالم دین تھے۔ شاہ عبدالرحیم فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے سات سال کی عمر میں قرآن کریم مکمل کیا عمر کے دسویں سال میں فارسی میں شرح جامی کی تعلیم پوری کر لی اور صرف ونحو اور ادب ولغت پر دسترس حاصل کر لی۔ پندرہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تعلیم مکمل کی اور کتاب وسنت کی اشاعت واصلاح معاشرہ کی تاریخ ساز تحریک شروع کر دی۔

شاہ صاحب نے گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا یعنی اورنگ زیب عالمگیر، بہادر شاہ اول، جہاندار شاہ، فرخ سیر، نیکوسیر، رفیع الدرجات، محمد ابرہیم، محمد شاہ، احمد

شاہ، عالمگیر ثانی اور شاہ عالم۔ اس دور میں قصبہ بڈھانہ بزرگوں اور صالحین کا اہم مرکز تھا جہاں آپ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے ایک بار آپ وہاں اعتکاف نشین تھے، جب ہی آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ مقامی اطباء کے علاج سے افاقہ نہ ہوا تو دہلی تشریف لائے جہاں ۲۰ راگست ۱۷۶۲ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ شاہ صاحب اپنے والد کی یادگار مدرسہ رحیمیہ، مہندیان، نئی دہلی میں واقع اس احاطہ میں آرام فرما ہیں جہاں ان کے خانوادے کے بزرگوں کے مزارات ہیں۔

شاہ صاحب کی متعدد تصانیف وتالیفات میں قرآن کریم کا فارسی ترجمہ: فتح الرحمن، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی)، فتح الخبیر لا بد منہ حفظہ فی علم التفسیر (عربی) تاویل الادحایث فی رموز قصص الانبیاء (عربی)، المسوی من احادیث الموطا (عربی)، المصفی شرح موطا (فارسی) شرح تراجم ابواب بخاری (عربی)، حجۃ اللہ البالغہ (عربی)، البدور البازغہ (عربی)، ازالتہ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (عربی)، تلمیحات الھیہ (عربی وفارسی)، الخیر الکثیر (عربی)، فیوض الحرمین (عربی)، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف (عربی)، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)، انفاس العارفین (فارسی) البلاغ المبین یا تحفۃ الموحدین (فارسی)، القول الجمیل (عربی)، قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین (فارسی) سرور المحزون، ابن سید الناس کی سیرت نبوی پر عربی کتاب کا فارسی ترجمہ، چہل حدیث (عربی وفارسی) اطیب النغم طبع زاد نعتیہ قصائد کا مجموعہ (عربی) کے بشمول ۵۰ سے زائد کتب ورسائل آپ سے منسوب ہیں۔ شاہ صاحب کی زیادہ تر کتابیں اردو زبان میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وکمالات کے بیان کے لئے ایک دفتر بھی کم ہے۔☆

(ماخوذ از: شاہ ولی اللہ- حیات وافکار مرتبہ پروفیسر ظفر احمد نظامی، ناشر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ص:۳۹) ☆

حضرت سید شاہ حسام الدین حسینؒ
المعروف بہ تیغ برہنہ

آپ دکن کے اولیائے متقدمین میں سے ہیں۔ آپ کے والد حضرت سید السادات خواجہ میر حسینی دہلوی ہیں جو اپنے کشف وکرامات کے سبب دہلی میں بہت مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب اہل بیت اطہار کی نامور شخصیت حضرت امام محمد تقی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ خلافت اپنے والد محترم سے پائی اور ان کی رحلت کے بعد عرصہ تک دہلی میں رہے اور خلائق کو راہ خدا سے آگاہ کرتے رہے، بعد میں گلبرگہ تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سرزمین گلبرگہ میں راجہ کشن دیو کی حکومت ختم ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے اور راجہ ''انے ندی'' کی حکمرانی تھی۔ آپ کے ارشاد وتلقین سے خلقت فیض یاب ہوئی۔ آپ حالت جذب میں دو ننگی تلواریں لئے پھرتے، اسی وجہ سے آپ کو تیغ برہنہ کہا جانے لگا۔ ۲۷ربیع الاول ۶۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار مبارک قلعہ ہسام سے متصل جگت تالاب کے کنارے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

خواجہ دکن حضرت سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

بچپن کا نام سید محمد تھا، مکمل نام سید صدر الدین ابوالفتح محمد حسینی ہے۔ ۴رجب المرجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب ۲۲ویں پشت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ ۸ برس کی عمر میں اپنے والد خواجہ قتال حسینی کے ساتھ دولت آباد آئے۔ وہاں پہنچنے کے ۲ سال بعد والد محترم کا انتقال ہوا، گویا ۱۰ برس کی عمر میں دردِ یتیمی سے آشنا ہوئے۔ والد کی وفات کے چند سال بعد بھی اوائل عمر گزارنے کے بعد دہلی واپس چلے گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے گھر گھر توحید ورسالت کا پیغام پہنچایا اور لوگ جوق درجوق حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔

۲۴ربرس تک دہلی میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۸۱۵ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں سلطان فیروز شاہ بہمن کے عہد میں گلبرگہ آئے اور ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں ۱۰۴ سال کی عمر میں گلبرگہ میں انتقال فرمایا (گلبرگہ کا عرصہ قیام کم وبیش ساڑھے تیئیس سال پر محیط ہے) بچپن ہی سے بڑے دین دار تھے، نماز کی پابندی اور باوضو رہنے کی عادت تھی۔ دہلی جاکر حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے دست گرفتہ ہوئے۔ مرشد کے روبرو انتہائی ادب واحترام اور محبت وفدائیت کا مظاہرہ کرتے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ گیسودراز دوسرے مریدوں کے ساتھ اپنے پیرومرشد کی پالکی اٹھائے چل رہے تھے، چونکہ بال بڑے بڑے تھے، اتفاق سے پالکی کے پائے میں الجھ گئے، بالوں کے الجھنے سے جیسی تکلیف ہوئی ہوگی وہ تو آپ ہی کا دل جانتا ہوگا مگر پیرومرشد کی محبت میں آپ نے اف تک نہ کیا اور پالکی اٹھائے بڑھتے گئے۔ جب خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ اور انہیں سید

گیسودراز کے لقب سے پکارنے لگے، اس نام کو ایسی مقبولیت حاصل کہ اس روز سے آپ ''گیسودراز'' کے نام سے ہی مشہور ہو گئے۔

ایک روز ایک نوجوان آپ کی مجلس میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ کے سر پر عمامہ ہے اور ہاتھ میں چمڑے کا پنکھا، اس نوجوان نے دل میں سوچا کہ اگر یہ واقعی ولی اللہ ہیں تو بنا مانگے اپنا عمامہ اور پنکھا مجھے دیدیں گے۔ آپ نے حاضرین مجلس کے روبرو فرمایا: سنو! بغداد میں ایک مداری رہتا تھا۔ وہ مجمع میں گدھے کو لا کر کھڑا کر دیتا اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کہتا کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی کسی کی کوئی چیز چرالے گا تو یہ گدھا اس کو پکڑ سکتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی ایسی صورت اس کو بتائی جاتی تو مداری آنکھوں کی پٹی کھول کر گدھے سے کہتا چور کو پکڑ لا، گدھا سب کو سونگھتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو اس کے کپڑے کو دانت سے پکڑ لیتا۔ اس قصے کو بیان کر کے آپ نے فرمایا: دیکھو جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک گدھے کے اندر ایسی خوبی پیدا کی ہے کہ وہ بغیر دیکھے چور کو پکڑ سکتا ہے تو انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس کی خوبیوں کا کیا کہنا۔ لیکن انسان کی سب سے بڑی خوبی نیکی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ کا تقویٰ، اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا اور اس کے بندوں کی خدمت یہی باتیں انسان کو اللہ کا ولی بناتی ہیں۔ پھر آپ نے اپنا پنکھا اور عمامہ اس نوجوان کو عنایت فرمایا تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

ایک بار آپ کو کشف ہوا کہ آج آپ کو جو دیکھ لے گا ہم اس کو بخش دیں گے۔ چنانچہ اعلان کرایا گیا کہ آج حضرت خواجہ کی سواری نکلے گی، ہر خاص و عام ان کا دیدار کرلے۔ بہت کمزوری اور بیماری کی حالت میں کھلی ڈولی پر گاؤ تکیہ سرہانے لگا کر شہر کے ہر گلی کوچے میں جانے کا حکم دیا۔ مرد و عورت بچے بوڑھے سب آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو اللہ کے بندوں سے کتنی زیادہ محبت تھی۔

آپ کی تصانیف: معراج العاشقین، ہدایت نامہ، تلاوت الوجود، شکار نامہ، رسالہ سہ بارہ یہ تمام کتابیں اور رسالے تصوف کے موضوع پر ہیں اور آپ کے دہلی سے گلبرگہ تشریف لانے کے بعد ان کے لکھنے کی شروعات ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے انہیں ۸۱۵ھ اور ۸۲۵ھ کے درمیانی زمانہ کی تصانیف قرار دی جاسکتی ہیں۔ آپ کے اشعار کے نمونے بھی دستیاب ہیں، آپ ''شہباز'' تخلص فرماتے تھے۔ بہت سی بیماریوں کے لئے فقیری نسخے بھی آپ کے اشعار میں ملتے ہیں۔

سید محمد اکبر حسینی

(فرزند حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ) آپ دہلی میں تولد ہوئے صاحب علم و فضل و بزرگ تھے۔ ۸۱۵ھ میں گلبرگہ آئے اور والد محترم کی خلافت سے سرفرازی حاصل ہوئی۔ والد محترم کی حیات مبارک میں ۸۲۳ھ میں انتقال فرمایا، والد بزرگوار نے خود غسل دیا، گلبرگہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی نثر کا ایک مختصر نمونہ درج ذیل ہے۔ جس سے اس دور کی اردو کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو دکن کے علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی:

''سنو اے مسلمانوں طالب خدا کے، بوجھو زندگی سہل ہے، جیوں (جسم و جان) کا بھروسہ نہیں، موجب حکم حضرت علی کے عمل کرو: ''قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِّلُوا بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْفَوْتِ! عَجِّلُوا بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ'' یعنی شتابی (جلدی) کرو نماز وقت گزرنے سوں (سے) آگے (پہلے) ہور، (اور) شتابی کرو توبہ مرنے سوں آگے۔ یعنی مرید ہو کر توبہ کرنا ہور کفر و ضلالت سوں آپس (اپنے آپ کو) پاک کرنا۔ ایک کے تابع ہو کر خدا طلبی میں عاقبت کی راہ سنوارنا۔ اس باب میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیا ہے

انـا ارسـلـنـک ....، جس کو پیر نہیں اسے دین نہیں، جسے دین نہیں تو اسے بوج (سمجھ بوجھ) نہیں۔ ہور جسے بوج نہیں اسے عشق نہیں، ہور (اور) جسے عشق نہیں اسے صحبت نہیں ہور جسے صحبت نہیں اسے پیر نہیں، بے پیر ہو کر رہنا عین کفر ہے۔

آپ کو رائج الوقت دکنی اردو کے نثر و نظم میں مہارت تھی۔ آپ کی ایک کتاب کا پتہ چلتا ہے جس میں نظم اور نثر دونوں موجود ہیں۔ یہ تصوف کے موضوع پر ہے۔ مولوی محمد ناقعی نے ایک تعارف کے ساتھ اس کو شائع کیا ہے۔

(آخری ٹکڑا ماخوذ: ''دکن میں اردو''، مولفہ نصیر الدین ہاشمی، صفحہ ۵۷، بحوالہ مجلّہ مکتبہ نمبر ا، جلد اپریل ۱۹۲۸ء)

دسویں سجادہ نشین شاہ حامد حسین

(متوفی ۱۹۶۷) کی سجادگی کا زمانہ ملک کی تقسیم اور اس کے بھیانک نتائج کے ظہور کا زمانہ تھا۔ آزادی سے قبل اور بعد ہندوستان میں بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فسادات کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو بہت بڑے جانی و مالی نقصان سے گزرنا پڑا بلکہ بے شمار جھوٹے مقدموں کی گرفت میں پھنسنا پڑا۔ صوبہ بہار کے نئے گورنر شاہ صاحب سے ملنے آئے اور وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک خط پیش کیا جس میں مرکزی حکومت کی طرف سے آپ کو راجیہ سبھا کی ممبری اور پچیس ہزار سالانہ کی پیشکش کی گئی تھی۔ آپ نے دونوں چیزوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جواب میں لکھا کہ اگر آپ کو میری خوشنودی عزیز ہے تو جتنے مسلمان جیل میں بند ہیں اور جتنوں پر جھوٹے مقدمات چل رہے ہیں سبھوں کو جیل سے چھوڑ دیا جائے اور بلا شرط مقدمات بھی واپس اٹھا لئے جائیں، بالآخر ایسا ہی ہوا۔

گیارہویں سجادہ نشین شاہ عاشق حسین

(متوفی ۱۴۲۶ھ) کو گزرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے اور ان کو دیکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ آپ حکومت وقت سے

بالکل الگ تھلگ رہے۔ آپ کے دور سجادگی میں کئی وزیر اعلیٰ اور متعدد محکموں کے وزراء آپ سے ملنے کے لئے خانقاہ پہنچے لیکن سبھوں کو آپ کے خدام نے جواب دیا کہ حضرت کا حکم ہے کہ آپ کے لئے آستانہ عالیہ پر حاضری کافی ہے، میرے پاس ملنے کا وقت نہیں ہے۔

شاہ ارزاں بحیثیت صاحب تصنیف

کہا جاتا ہے کہ آپ پشتو زبان کے صاحب دیوان شاعر ہیں، آپ کا ایک مکمل دیوان پشتو زبان کی زیب و زینت ہے جو وسط ایشیا کے متعدد ممالک بشمول افغانستان سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے جس میں غزل، قصیدے اور شاعری کی دیگر اصناف میں اشعار موجود ہیں آپ کی چند تصانیف فارسی زبان میں ملتی ہیں جن میں ''مراۃ المحققین'' کو شہرت حاصل ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اسے دوسرے اکابر صوفیائے کرام کی طرف بھی منسوب کیا ہے واللہ اعلم۔ اس کتاب میں تصوف اور اس کے رموز پر تفصیلی معلومات ملتی ہیں۔ کاش خانقاہ ارزاں کی طرف سے یا پٹنہ کے شہرت یافتہ ادارے ''خدا بخش اورینٹل لائبریری'' وغیرہ کی طرف سے اس کتاب کی طباعت کا اہتمام ہو جاتا اور اہل ذوق کو اس کتاب سے استفادے کا موقع مل سکتا۔ شاہ ارزاں فارسی اور پشتو زبان و ادب اور دنیائے تصوف میں ایک ممتاز رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی خدمات اور تعلیمات اس سلسلے میں بے مثال ہیں۔ وہ بایزید روشان اور ان کے معاصرین میں ایک عالی مرتبت شخصیت ہیں۔

میرا ایک بھائی بیمار ہے اور اس وقت سکرات کے عالم میں اسے چھوڑ کر آیا ہوں، ممکن ہے کہ میری واپسی تک وہ جاں بحق ہو جائے یا ہو گیا ہو۔ میں اس وجہ سے درہم برہم ہو رہا ہوں کہ وہ گھر کو سنبھالتا تھا اور میں فراغ دل سے خانقاہ میں ذکر و شغل کرتا تھا۔ اب شاید یہ بھی ممکن نہ ہو۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محمد شاہ!

جو کیفیت! اس وقت تمہاری ہے، میں ساری عمر اسی کیفیت میں رہا ہوں، البتہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ جاؤ تمہارا بھائی اچھا ہو جائے گا۔ محمد شاہ نے گھر آ کر دیکھا تو بھائی بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔

درد مندی کی اس کیفیت کی ساری عمر حفاظت کرنا اور خود کو بھی سنبھالے رکھنا کیا علم جدید کی اصطلاح میں صرف اذیت کوشی ہے۔ عقل اگر سلیم ہے تو وہ بھی دوسروں کی تکلیف پر کڑھتی ہے اور دوسروں کی ابتلاء سے آزردہ ہوتی ہے، صوفیاء کے پاس تو عقل ہی نہیں، دو جوہر اور بھی ہیں جنہیں علم اور عشق کہا جاتا ہے اور آئینے کی طرح شفاف قلب ہے، پھر وہ مادی اعتبار سے نعیم میں بھی نہیں رہ رہے ہیں۔ ان کا شعور ان کی آگہی، ان کا ادراک و احساس، ان کی درد مندی اور دل سوزی کس مرتبے کی ہوگی، اس کا ہم کیا اندازہ کر سکتے ہیں؟

علم و فن کی ترقی نے انسان کے لئے ساری کائنات کے پٹ کھول دیئے ہیں مگر اس کے دل کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ درد کا رشتہ ہی وہ رشتہ ہے جو ساری انسانیت کو ایک شیرازے میں باندھ سکتا ہے۔ ورنہ تاریخ میں ایک سے ایک دردناک مظالم کی داستانیں بار بار دہرائی گئی ہیں اور آئندہ بھی دہرائے جانے کا امکان ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے مولانا کیتھلی کا ذکر کیا کہ ایک بار وہ میرے پاس آئے۔ مبشر میرا خادم نوعمر تھا۔ اس نے شاید کوئی بے ادبی کی، میں نے اس کے ایک بید مار دیا۔ مولانا کیتھلی نے ایسی درد بھری چیخ ماری جیسے چھوٹ انہیں لگی ہے رونے لگے اور کہا کہ یہ میری شامت تھی جو اسے یہ تکلیف پہنچی۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کی رقت اور شفقت سے میرا بھی دل ہل گیا۔

دوسروں کے دکھ کا اثر اپنے دل پر کس طرح اور کیوں ہوتا ہے، فکر جدید نے بہت زور مارا تو Telepathy کا نظریہ ہاتھ آ گیا، مگر اس نکتے کی وضاحت کرتے

ہوئے ایک اور مجلس میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے وہ بات فرمائی جو ایک صوفی ہی کہہ سکتا تھا فرمایا کہ: ''جب روح قوی ہو جاتی ہے اور کمال (صفا) کو پہنچ جاتی ہے تو وہ قلب کو جذب کر لیتی ہے اور قلب جب قوی ہوتا ہے اور کمال صفا کو پہنچتا ہے تو وہ قالب کو بھی جذب کر لیتا ہے اس اتحاد کی وجہ سے جو کچھ قلب پر گزرتا ہے اس کا اثر قالب پر ظاہر ہو جاتا ہے''۔

تصوف اور صاحبانِ تصوف سے متعلق ایک مختصر جائزہ

تصوف کوئی ''مسلک'' نہیں ہے، نہ صوفیاء کوئی ''فرقہ'' ہے دائرہ تصوف میں آنے کیلئے ہمیں کچھ لینا دینا بھی نہیں ہے۔ یہ ایک زاویہ نگاہ ہے۔ ایک Attitude ہے اور اس کے عناصر ترکیبی میں علم، تمیز محبت ارادت اور طلب شامل ہیں۔ یہ طلب بھی ''خیر محض'' کی ہے حور و قصور کی نہیں جسے قرآنی اصطلاح میں ''طلب وجہ رب'' کہا گیا ہے۔ یہ تو اختصار کے ساتھ تصوف اسلامی کی فلسفیانہ بنیاد ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب نہ صوفیا باقی ہیں نہ ''خیر محض'' کی یہ طلب ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

میں اس کا سبب یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے خانقاہ Institution ختم کر دی شاید اس لئے کہ وہاں ''خرچ'' ہوتا تھا درگاہوں کا باقی رکھے ہوئے ہیں اس لئے کہ یہاں ''آمدنی'' ہوتی ہے لہٰذا جب ''طلب خیر محض'' کے تصور کی جڑ ہی کاٹ دی تو اس کا نمونہ کہاں سے دیکھیں گے؟

خانقاہیں اور جماعت خانے کیوں ختم ہوئے؟ اس کا جواب دینا آسان نہیں۔ منطق کی ایک اصطلاح ''دور'' لازم آنا بھی ہے جب علت اور معلول دونوں میں تغافل Inter-action شروع ہو جاتا ہے یعنی جو علت ہے وہی معلوم بھی ہے اور جو معلول ہے وہی علت بھی ہے۔ خانقاہوں کا وجود بھی اسی ''دور'' کا شکار ہو گیا ہے۔

یعنی علم کے زوال سے خانقاہوں کا انحطاط ہوا اور خانقاہوں کے انحطاط سے علم کا زوال ہوا۔ علم تو مدرسوں میں واپس چلا آیا جہاں سے وہ آیا تھا۔ خانقاہوں میں جو مادی منفعت کا پہلو تھا یعنی ''فتوح'' اور ''نذرانے'' وہ جماعت خانے کے درویشوں پر خرچ ہوتا تھا اور اس سے مسکینوں کو ان کا ''حق معلوم'' ملتا تھا۔ وہ منفعت ہم نے درگاہوں میں منتقل کردی اور اسے اپنے لئے زیادہ اچھا سمجھا، حتیٰ کہ علم کی قربانی کی قیمت پر اسے گوارا کرلیا، اسلئے کہ خانقاہ میں وہ دولت فتوح کے نام پر آتی تو ہمارے ہاتھوں سے دوسروں پر خرچ ہوجاتی، اب وہی درگاہوں میں نیاز کے نام سے آئے، تو دوسروں کے ہاتھوں سے ہم پر خرچ ہورہی ہے۔ رہا ''علم'' تو وہ ایسا کچھ ضروری نہیں ہے کیونکہ مشاہدہ یہ بتایا ہے کہ اکثر ''بے علم'' زیادہ عافیت سے رہتے ہیں۔

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ زندگی میں ناکامیوں کے مارے ہوئے Frustrated شکست خوردہ اور پست حوصلہ لوگ تصوف کی طرف مائل ہوجاتے ہیں لیکن تاریخی شواہد اس کے بالکل خلاف ہیں۔ تصوف عہدِ خلافت راشدہ میں بھی موجود تھا جس کی مثال ابوذر غفاری اور سعید ابن مسیّب کی شخصیت میں ملتی ہے، پھر عہد بنی امیہ میں بھی ایسے صحابہ اور تابعین موجود تھے جو حکومت وقت کے مظالم کے خلاف اخلاقی سطح پر جنگ کررہے تھے۔ اسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ شان وشوکت اور عیش ونعمت کا زمانہ خلافت عباسیہ کا ہے۔ اس دور میں کیسے کیسے صوفیا پیدا ہوئے ہیں ان کے نام بھی گننا مشکل ہے۔ ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء اور عبدالرحمٰن السلمی کی طبقات الصوفیہ ایسے بزرگوں کے حالات سے بھری پڑی ہے۔ یہ زمانہ افلاس اور شکست خوردگی کا نہیں تھا۔ ہر طرح کی دنیوی کامیابی اور عیش وعشرت کی فراوانی کا زمانہ تھا اور اسی زمانہ میں اسلامی تصوف اپنے برگ وبار لایا۔ بعد کے زمانے میں جو کچھ ہے سب اسی کی خوشہ چینی ہے۔

اس مختصر سے پس منظر کے ساتھ مجھے یہ کہنا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تصوف وہی ''طلب خیر محض'' اور طلب وجہ رب'' تھا، عہد بنی امیہ میں یہ ظلم کے خلاف ایک احتجاج تھا اور عہد بنی عباس میں یہ عیش وعشرت اور فسق وفجور سے بھری ہوئی زندگی کا ردِّ عمل تھا۔ یہ دونوں نظریئے ابوالعتاہیہ اور ابونواس کی شاعری میں واضح ہوکر سامنے آگئے ہیں۔ اگر تصوف افلاس اور شکست خوردگی کا ردِّ عمل ہوتا تو اسے کب اور کہاں فروغ مل سکتا تھا، یہ اندازہ کرنا دشوار ہے۔

عرض یہ ہے کہ آج کی زندگی بھی ظلم سے اسی طرح بھری ہوئی ہے اور آج عیش وعشرت کے اسباب پچھلے ہر زمانے سے زیادہ اور ہر جگہ اور ہر شخص کو میسر ہیں، حتیٰ کہ آج کا انسان ''زہد'' کے مفہوم سے ہی نا آشنا ہوگیا ہے اور سوسائٹی میں ہر سطح پر ایک خاص انداز کی شقاوت اور قساوت پیدا ہوگئی ہے، یہ انسانیت کو کہاں لے جائے گی اس کا بھی اندازہ لگانا کچھ دشوار نہ ہونا چاہئے۔ آج ایسے زبردست مہلک ہتھیار دنیا کے ہر خوبصورت علاقے کا نشانہ باندھے ہوئے بیٹھے ہیں کہ صرف بٹن دبانے سے دنیا زیر وزبر ہوسکتی ہے۔ اسلحہ کی مسابقت بڑھتی جارہی ہے اور اب اسے بھی صرف ''دلوں کی دنیا کو بدلنے'' سے روکنا ممکن ہے۔ دلوں میں وہ انقلاب تصوف پیدا کرسکتا ہے۔ اسلئے آج کی مغربی دنیا اور سائنسی تہذیب ہم سب سے زیادہ تصوف کی محتاج ہے، یعنی اسے ''خیر محض'' کی طلب کی طرف بلایا جائے اور دنیا کے گوشے گوشے سے یہ آواز دی جائے۔

نئے زمانے میں خانقاہوں کا روپ بھی نیا ہوگا، صوفی بھی ''ماڈرن'' ہوں گے اور مجاہدے بھی میکانکی ہوسکتے ہیں تجدد اور تبدیلی ہر سطح پر، ہر حال میں مبارک ہے اگر اصلی کی روح مسخ نہ ہو اور مقصود کا حصول آسان تر ہوجائے۔

ہمارے زمانے میں فعال صوفیوں میں ایک اچھی مثال حضرت خواجہ حسن نظامی کی تھی۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی سخت مشقت وریاضت میں گزاری۔ دنیا کی

دولت نے بھی ان کے قدم چومے مگر انہوں نے اس سے کبھی دل نہیں لگایا، جو کچھ آیا وہ اپنے نیک مقام کی تکمیل میں انہوں نے دونوں ہاتھ سے لٹایا، وہ اپنے مریدوں کو پہلی تعلیم یہی دیتے تھے کہ وہ سخت محنت کریں اور زیادہ سے زیادہ کمائیں اور خوشحال رہنے کی کوشش کریں۔ اس سے انہیں ”اکل حلال“ کی عادت پڑے گی اور تنگ دستی انہیں تصوف سے بددل نہیں کرے گی۔

وہ فرماتے تھے کہ ہر پیر کا مرید کسی خصوصیت سے پہچانا جاتا ہے، جو میرا مرید ہوگا اسکی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ فارغ البال و مرفّہ الحال ہوگا۔ خواجہ صاحب اول و آخر صوفی تھے۔ یوں تو وہ بہت کچھ تھے لیکن اگر انہیں اختیار دیا جاتا کہ وہ اپنے لئے کسی ایک حالت کو پسند کرلیں اور باقی کو ترک کردیں تو وہ صوفی بن کر ہی رہنا اختیار کرتے اور سب کچھ تج دیتے۔ اس لئے کہ تصوف کی دنیا میں انکے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ خانقاہوں کو زندہ کرنے کی کوشش، سلسلہ عالیہ نظامیہ کو حیات تازہ بخشنے کا ولولہ اور ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ باہر کی دنیا تک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ؒ کے روحانی پیغام کو عام اور شائع کرنے کی تڑپ نے زندگی بھر خواجہ صاحب کو مصروف و منہمک رکھا۔ مغربی دنیا میں تصوف کے مطالعہ کا نظری (Theoretical) سطح پر رواج بڑھتا جارہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ باہر کی دنیا کو صوفیاء کے اعمال واشغال سے بھی زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل ہو۔ ہماری بے بسی ہے کہ ہم حق پرست تو ہیں حق بولنا نہیں چاہتے، اہل حق کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا نہیں چاہتے۔

مدینہ منورہ کے چند نام

دارالہجرہ، دارالابرار، دارالایمان، دارالسنۃ، دارالسلام، دارالفتح، الحرم، الایمان، الدار، العاصمۃ، العذراء، المومنۃ، المبارکۃ، المقدسۃ، المسلمۃ، المحبوبۃ، المحبۃ۔ ☆

اپنی عقل کو بھی کام میں لانا چاہیئے

یاد رکھئے! سازشوں کے مواقع پر بروقت سوجھ بوجھ اور مومنانہ فراست ہونی چاہیئے۔ گونگے بہرے بنے رہنے کی بجائے حکمت وتدبر سے حقائق کو ثابت کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حاضرین مجلس کو بھی چپ سادھ کر بیٹھنے اور تماشائی بن کر رہنے کی بجائے اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

بھری مجلس میں کسی مسلمان کو ذلیل کرنے یا کروانے کے مواقع پر حاضرین مجلس کو بھی اپنی اخلاقی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں۔ سچا آدمی کبھی چغل خور نہیں ہوسکتا اور نہ چغلی کھا کر کسی کو پھنسانے کی کوشش کرسکتا ہے۔

سلیمان بن عبدالملک (خاندان بنی امیہ کا ایک نیک نام اور بدنام حکمراں، نیک نام اس وجہ سے کہ اس نے اپنے وصیت نامہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے اہل اور باصلاحیت شخص کو اپنا جانشین مقرر کیا، بدنامی کی ایک وجہ یہ تھی کہ شکایات سننے کے معاملہ میں بہت حساس اور سخت گیر تھا، اس کی غلط فہمیوں سے عالم اسلام اپنے تاریخی مرحلہ پر متعدد جانبازوں کی خدمات سے محروم ہوگیا۔ اور عساکر اسلام کی تیز رفتاری سے فتوحات کا سلسلہ رک گیا)۔ اس نے ایک آدمی کو اپنے دربار میں بلا کر کہا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو نے میری برائی بیان کی ہے اور فلاں فلاں باتیں کہی ہیں۔

اس شریف آدمی نے جواب دیا: میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔
سلیمان بن عبدالملک نے کہا: مجھے اس بات کی خبر ایک سچے آدمی نے دی ہے۔
اس شخص نے برجستہ جواب دیا: ''چغل خور کبھی بھی سچا ہو ہی نہیں سکتا''۔
سلیمان بن عبدالملک نے کہا: تو نے سچ کہا۔ جاؤ کوئی بات نہیں۔

(تاریخ حریت اسلام، ص: ۱۳۸، از مولانا محمد الدین فوق، بحوالہ منہاج القاصدین لابن قدامۃ، ص: ۱۸۱)

''یہ واقعہ سلیمان بن عبدالملک کے ضبط وتحمل، بردباری اور مدبرانہ صلاحیت کو بھی ظاہر کرتا ہے جس کی اس دور میں سخت ضرورت تھی''۔

ایک اعرابی کی حاضر جوابی

ایک اعرابی (بدّو، دیہاتی آدمی) پر حاسدین نے الزام لگایا کہ اس نے حاکم شہر کے بارے میں کسی مجلس میں نازیبا گفتگو کی ہے چنانچہ اسے حاکم کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اعرابی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے حاسدین نے اسے ناحق مقدمہ میں پھنسایا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اسے قید کی سزا مل جائے تاکہ ان کو اپنی من مانیاں کرنے کا موقع مل جائے۔ اس نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنا مقدمہ لکھا، تفصیل سے اپنی بے گناہی کا ذکر کیا کہ کس کس طرح اس کے مخالفوں نے اسکے خلاف سازش تیار کی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی دراصل یہ سارا مقدمہ محض الزامات پر مبنی ہے، حقیقت میں کچھ بھی نہیں، اسکے اندر کوئی جان اور سچائی نہیں۔
اعرابی جب حاکم کے دربار میں داخل ہوا تو اس نے حاضرین کے چہروں کی طرف دیکھا، سارے ہی آدمی اسے اپنے مخالف گروہ کے نظر آئے، کسی سے ہمدردی اور شرافت کی توقع اسے نہ ہو سکی۔ اس نے پہلے سے لکھی ہوئی اپنے مقدمہ کی روداد کے کاغذات اپنی جیب سے نکالے اور حاکم کو مخاطب کر کے کہا:

هَآؤُمُ اقْرَءُ وْا كِتٰبِيَهْ (یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو) دراصل قیامت کے دن (گنہگاروں سے کہا جائے گا) یہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھ لو۔
حاکم پہلے سے جلا بھنا اور ناراض بیٹھا تھا، اس نے ان کاغذات کو پڑھے بغیر ہی اسے واپس کر دیا اور کہنے لگا کہ: یہ کلمہ قیامت کے دن کہا جائے گا، یہاں دنیا میں نہیں اور نہ ہی یہ اس کا موقع ومحل ہے۔ اعرابی نے برجستہ جواب دیا: امیر محترم! آج کا دن میرے لئے قیامت کے دن سے بھی سخت ہے کہ اس روز تو میری نیکیاں اور برائیاں دونوں ساتھ ساتھ پیش کی جائیں گی اور پھر ان کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ مگر آج تو میری برائیاں ہی آپ کے حضور پیش کی گئی ہیں۔ اور میری تمام نیکیاں اور خوبیاں پس پشت ڈال دی گئی ہیں۔ حاکم کو اس کا جواب بہت پسند آیا اور اس نے اس کے خلاف مقدمہ واپس لے لیا۔ (ص: ۲۷-۳۷، ''سنہرے اوراق'' مولفہ عبدالمالک مجاہد، مطبوعہ دارالسلام)
اسی لئے کہتے ہیں کہ مفسدوں کے مقابلہ میں بے باکی، درگزر اور حسن سلوک کے ساتھ اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہئے۔
احمد بن موسیٰ جو اس واقعہ کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور کو شکایت کی گئی کہ ایک شخص کے پاس بنی امیہ نے کافی مقدار میں مال ودولت اور اسلحہ بطور امانت رکھوایا ہے۔ منصور نے اپنے پولس افسر ربیع کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً حاضر کیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس شخص پر الزام لگایا گیا تھا اس کو منصور کے سامنے حاضر کیا گیا۔ منصور نے پوچھا: ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ بنی امیہ نے مال ودولت اور اسلحہ بطور امانت تمہارے پاس رکھوایا ہے۔ اسے فوری طور پر حاضر کرو اور بیت المال میں جمع کروا دو۔ اس آدمی نے بڑے تحمل سے کہا:
یا امیر المومنین! انت وارث بنی امیه؟ (امیر المومنین! کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں؟)

خلیفہ نے کہا: نہیں اس آدمی نے پوچھا: **فوصی انت؟** (کیا آپ کے حق میں کوئی وصیت کی گئی ہے؟)

خلیفہ نے کہا: نہیں وہ شخص کہنے لگا: **فلم تسال عن ذالک؟** (پھر آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہیں؟)

منصور نے تھوڑی دیر تک اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگا: بنی امیہ نے لوگوں پر نہایت ظلم وستم کیئے اور ان کے مال ہڑپ کر لئے۔ اب میں اس غصب شدہ مال کو واپس لے کر بیت المال میں جمع کرواؤں گا۔ وہ آدمی کہنے لگا: امیر المومنین! آپ کی طرف سے واضح دلیل ہونی چاہئے جسے قاضی بھی قبول کر لے کہ میرے ہاتھوں میں بنی امیہ کا جو مال ہے وہ لوگوں کا غصب کردہ ہے اور امیر المومنین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بنی امیہ کے پاس لوگوں کے غصب کردہ اموال کے علاوہ ذاتی اموال بھی تھے۔

منصور نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموشی کے بعد کہنے لگا: اے ربیع! اس شخص نے سچ کہا ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس سے یہ مال اور اسلحہ واپس لیں۔ پھر منصور اس شخص کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: تمہاری حاجت ہو تو بتاؤ؟

اس نے کہا: میری ایک حاجت ہے۔

خلیفہ نے کہا: بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

کہنے لگا: امیر المومنین! جن لوگوں نے آپ کو میری شکایت کی ہے ان کو میرے روبرو کیا جائے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس بنی امیہ کی کوئی امانت، کوئی مال ودولت یا اسلحہ نہیں ہے، نہ ہی کسی نے مجھے دیا ہے یا میرے پاس رکھا ہے۔

منصور نے ربیع کو حکم دیا کہ جس شخص نے اس پر الزامات لگائے ہیں اسے حاضر کیا جائے۔ جب اس شخص کو حاضر کیا گیا تو وہ فوراً اسے پہچان گیا۔ کہنے لگا: یہ تو میرا غلام ہے۔ اس نے مجھ سے پانچ سو دینار قرض لئے اور پھر بھاگ گیا۔ اتفاق

سے میرے پاس اس کی تحریر بھی موجود ہے۔ منصور نے غلام کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا تو وہ کانپنے لگا اور کہا: بلاشبہ میں اس شخص کا غلام ہوں اور اس سے دینار لے کر بھاگ گیا تھا اور پھر میں نے اس کے خلاف سازش کی تا کہ یہ گرفتار ہو کر قتل ہو جائے۔ مگر یہ تو اللہ کا امر ہے۔ میری ساری سازش اور کوشش خاک میں مل گئی۔ اس شخص نے منصور سے کہا: امیر المومنین! میں نے آپ کی خاطر اس غلام کو وہ پانچ سو دینار ہبہ کر دیئے اور مزید اسے پانچ سو دینار دیتا ہوں کہ یہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا ہے۔ منصور نے اس کی بات کو سراہا اور اسے باعزت طور پر رخصت کیا۔ اس کے بعد متعدد بار اس نے اس شخص کو یاد کیا اور ربیع سے کہا: **یا ربیع! ما رائیت من حاجنی مثلہ** (اے ربیع! میں نے اس جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے میرے ساتھ اس قدر کامیاب مباحثہ کیا ہو)۔ (سنہرے حروف: ۳۰۱-۳۰۳، مولفہ عبدالمالک مجاہد، مطبوعہ دارالسلام)

امام جعفر صادق کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے ان کی مجلس میں ایک مسلمان کو برا بھلا کہا۔ آپ نے اس سے کہا: **اَیُّھَا الرَّجُلُ! ھَلْ قَاتَلْتَ الرُّوْمَ** (اے شخص! کیا تو نے رومیوں سے قتال کیا ہے؟)

اس نے کہا: نہیں

آپ نے کہا: ھَلْ قَاتَلْتَ اَھْلَ کِسْریٰ (کیا تو نے ایرانیوں سے قتال کیا ہے؟)

اس نے کہا: نہیں

آپ نے پوچھا: ھَلْ جَاھَدْتَ لِکُفَّارٍ؟ (کیا تو نے کافروں سے جہاد کیا ہے؟)

اس نے جواب دیا: نہیں

امام جعفر صادقt نے فرمایا: **سُبْحَانَ اللّٰہِ! یَسْلِمُ مِنْکَ الرُّوْمُ، وَفَارَس وَالْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی، وَلاَ یَسْلِمُ مِنْکَ الْمُسْلِمُوْنَ.** (سبحان اللہ! یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ)

تجھ سے روم وفارس اور یہود ونصاریٰ تو محفوظ ہیں مگر مسلمان تجھ سے محفوظ نہیں!!!

آپ کا نام نامی جعفر صادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی ابن ابی طالب ہے۔شیعہ امامیہ اور اسماعیلیہ ان کو اپنا چھٹا امام بتاتے ہیں۔آپ جلیل القدر تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔آپ ۱۴ سال اپنے دادا امام زین العابدین tاور ۳۴ سال اپنے والد امام محمد باقر tاور ۲۷ سال اپنے نانا حضرت قاسم کے زیر تربیت رہے۔تمام بلاد اسلامیہ کے علماء وفضلاء کسب علم وفیض کے لئے آپ کے ہاں آتے تھے۔آپ صبر وشکر، تسلیم ورضا، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا نمونہ تھے۔راست بازی اور حق گوئی کی وجہ سے آپ کو ''صادق'' کہا جاتا تھا۔آپ سے بکثرت روایات مروی ہیں۔اخذ علم میں آپ کسی طرح کا تعصب روا نہ رکھتے تھے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ آپ نے مدینہ منورہ میں گزارا۔آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۷، ص: ۳۴۱-۳۴۲، از ''سنہرے حروف'' مولفہ عبدالمالک مجاہد، مطبوعہ دار السلام)

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

☆☆☆

وہ بھی تھے کیسے کیسے اہلِ دل

خواجہ یوسف اسباط متوفی ۹۶ھ فرماتے تھے: چالیس سال ہوئے سوائے ایک پرانے خرقے کے اور کوئی پیراہن میں نے نہیں پہنا۔

خواجہ جنید بغدادی اپنے نامور ماموں اور پیرومرشد خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی بات فرماتے ہیں: ۹۸ سال گزر چکے ہیں لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی زمین سے پہلو نہیں لگایا سوائے مرض الموت کے۔اس کے باوجود آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال عجز کی وجہ سے دن میں بھی کئی بار آئینہ دیکھتے تھے کہ کثرت گناہ سے کہیں منہ سیاہ تو نہیں ہوگیا۔

محنت قرب ز بعد افزون است
جگر از ہیبت قربم خون است

یعنی قرب کی مشقت بعد کی مصیبت سے زیادہ ہے اور میرا جگر قرب کی ہیبت سے خون آ گیا ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں خواجہ احمد عرب کی مجلس میں شامل ہوا۔آپ کے ایک کلمے سے میرا دل روشن ہوگیا اور ۴۰ سال ہوگئے کہ اب تک میں اس ذوق میں ہوں۔

شیخ فریدالدین عطار خواجہ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۲۲ھ کی بابت فرماتے ہیں:
آپ نے طواف کعبہ میں بارہ ہزار ختم قرآن کئے تھے۔ آپ ۳۰ سال تک حرم مکہ میں میزاب رحمت کے نیچے بیٹھے رہے اور ان ۳۰ سالوں میں رات دن میں صرف ایک دفعہ وضو کرتے تھے اور اس عرصہ میں سوتے بھی نہیں تھے۔

شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۳/ ابوالخیر پہچانتا ہوں جو سب غلام تھے اور سب صاحب کمال۔

(مثال کے طور پر یہاں ایک صاحب کمال غلام کی نشاندہی کی جاتی ہے یعنی خواجہ ابوالخیر حماد اقطع متوفی ۳۴۰ھ جن کا شمار طبقہ چہارم کے اولیاء میں ہوتا ہے، مصر میں کسی کے غلام تھے۔)

شیخ الاسلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ابوالحسن کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا کہ ابوعثمان مغربی (متوفی ۳۷۳ھ) نے فرمایا کہ جس دن میں دنیا سے جاؤں گا فرشتے گرد اڑائیں گے۔ چنانچہ ان کی وفات کے دن میں نیشاپور میں موجود تھا۔ اس روز اس قدر گرد اڑی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آپ ۳۰ سال مکہ میں رہے لیکن حرم شریف کی حدود میں آپ نے کبھی حاجت بشری فرو نہ کی۔

خواجہ ابونصر سراج نے (تصوف کی مشہور کتاب کتاب اللمع آپ کی تصنیف ہے، آپ خواجہ محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، صاحب نفحات الانس مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ذکر خیر کیا ہے) فرمایا: جو جنازہ میرے سامنے سے گزرے گا جنتی ہوگا، اس بشارت کی بنا پر اہل طوس تمام جنازے آپ کے سامنے لے آتے تھے۔ آپ اس پر نگاہ کرتے تھے اور وہ لے کر چلے جاتے تھے۔

نوٹ: مندرجہ بالا واقعہ اور اس طرح کے دیگر واقعات صوفیا کرام کی طرف سے دعویٰ ہی دعویٰ ہیں یا ان کی کوئی ٹھوس بنیاد اور حقیقت بھی ہے جو محتاج تحقیق ہے۔

یاد رکھیں اگر اپنوں نے تحقیق کا حق ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ غیروں کو توفیق عطا کر دے۔

کشف و کرامات بیان کرنا ہمارا مقصد حقائق کا اظہار ہے جو ٹھوس سندوں سے ثابت ہیں اور اہل دل کے سینوں میں وہ خلش وہ چبھن پیدا کرتا ہے جو "پدرم سلطان بود" (میرا باپ سلطان تھا کے طعنے یا تنبیہ یا خوش خبری سے پیدا ہوتی ہے۔

نہ تاج و تخت ہیں، نے لشکر و سپاہ میں ہے   جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق خلیل   یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا   یہ منگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

(اقبالؔ)

چلو کے ہنس کے گلے لگائیں کانٹوں کو
کہ صرف پھول ہی پروردۂ بہار نہیں

☆☆☆

مردِ قلندر ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

وہ روزہ سے تھے، انہوں نے عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد نہر کے کنارے چلنا شروع کر دیا، وہ سوچ رہے تھے کہ آج وہ کس طرح روزہ افطار کریں گے کیونکہ ان کے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی اور نہ ہی جیب میں کچھ تھا، وہ اپنی سوچوں میں گم تھے کہ دور سے نہر میں بہتا ہوا ایک سیب اپنی طرف آتے دیکھا، سیب جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا ان کے چہرے کی سرخی پھیلتی جا رہی تھی، تھوڑی دیر بعد سیب ان کے قریب آیا تو ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا' چلو افطاری کا بندوبست تو ہوا''۔ یہ کہہ کر سیب انہوں نے جیب میں ڈال لیا۔ اذان مغرب پر انہوں نے سیب سے روزہ افطار کیا....مگر جونہی انہوں نے سیب کھایا، ایک آواز آئی۔ ''اے اللہ کے بندے! کیا تو نے سیب کھانے سے قبل اس کے مالک سے اجازت لی تھی؟''

''نہیں، یہ سیب تو؟ پانی میں بہہ کر مجھ تک پہنچا ہے، میں اس کے مالک کے بارے میں نہیں جانتا''۔ انہوں نے جواب دیا۔

''قیامت کے دن جب اس سیب کے بارے میں پوچھا جائے گا تو کیا وجواب دوگے! آواز دوبارہ ابھری۔

اس سوال نے ان کو لاجواب کر دیا تھا، اپھر کچھ سوچ کر کہا: ''میں ابھی سیب کے مالک کے پاس جا کر اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں'' یہ سوچ کر وہ اس طرف چل دیئے،، جس طرف سے سیب بہہ کر آیا تھا، دو گھنٹے چلنے کے بعد انہیں نہر کے کنارے سیبوں کا ایک باغ نظر آیا، باغ میں داخل ہو کر انہوں نے مالی سے مالک کے بارے میں پوچھا۔

مالی نے جواب دیا: ''اس باغ کے دو مالک ہیں، ایک مالک یہیں رہتا ہے اور دوسرا بغداد میں رہائش پذیر ہے، اگر آپ کہیں تو یہاں کے مالک سے آپ کو ملوا دیتا ہوں''۔ چند لمحوں کے بعد وہ مالک کے سامنے کھڑے تھے۔ باغ کے مالک نے تمام ماجرا سننے کے بعد کہا: ''اے نیک انسان! میں چونکہ آدھے باغ کا مالک ہوں، اسلئے آدھا سیب آپ کو معاف کرتا ہوں اور آدھا سیب بخشوانے کیلئے آپ کو بغداد جانا پڑے گا''۔

یہ سن کر انہوں نے کہا: ''آج بغداد تک جانا، کل روز قیامت ذلیل ہونے سے ہزار درجے بہتر ہے، آپ نے مجھے آدھا سیب معاف کر دیا ہے، اس کے لئے میں آپ کا مشکور ہوں، اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا''۔

باغ کے مالک نے نہ صرف آدھا سیب معاف کیا بلکہ خوب آؤ بھگت بھی کی، جب وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو باغ کے مالک نے کہا میرا دوسرا بھائی بہت بدماغ ہے، اگر وہ آپ سے بدتمیزی کرے تو خدا کیلئے اسے معاف فرما دیجئے گا''۔

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میاں! میں اس کا مجرم ہوں وہ مجھ سے جیسا بھی سلوک کرے گا مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، میں تو اس گھڑی پر افسوس کر رہا ہوں، جب میں نے نہر سے سیب اٹھا کر کھایا تھا، اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔!!!

یہ کہہ کر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے، تین دن کی مسافت کے بعد جب وہ باغ کے دوسرے مالک کے پاس پہنچے تو اس نے تمام بات جان کر تلخ لہجے میں کہا: ''تمہیں

میرے باغ کا سیب بلا اجازت کھانے کی ہمت کیسے ہوئی''۔انہوں نے آہستگی سے کہا:'' آپ اس جرم کی جو سزا میرے لئے تجویز کریں گے مجھے قبول ہوگی''۔

''تمہیں میرے ہاں تین سال بطور نوکر کام کرنا پڑے گا، بولو منظور ہے؟''

''منظور ہے''انہوں نے جواب دیا۔

پھر انہوں نے تین سال تک بغداد میں باغ کے مالک کے ہاں کام کیا جب وہ وہاں سے مدت پوری ہونے کے بعد رخصت ہونے لگے تو انتہائی التجائی انداز میں پوچھا:'' کیا اب آپ نے میرا جرم معاف کر دیا ہے؟''

مالک نے کہا'' ہاں..... ہاں...اب تم جا سکتے ہو''۔

وہ باغ کے مالک کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے علاقے کی جانب کوچ کر گئے۔ جب وہ نہر کے کنارے یسبوں کے باغ کے قریب پہنچے تو باغ کے آدھے حصہ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے کیونکہ جہاں تین برس قبل سیبوں سے لدے درخت کھڑے تھے وہاں خاک اڑ رہی تھی، انہوں نے باغ کے مالک سے پوچھا:

''بھئی! آپ کے باغ کے آدھے حصے کو کیا ہوا ہے؟''

''اس باغ کی تباہی اس بات کی علامت ہے کہ میرے بھائی نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا''۔

''اچھا تو یہ باغ میری وجہ سے تباہ ہوا، یہ میرا دوسرا جرم ہے، اگر میں اس باغ کا سیب بغیر اجازت نہ کھاتا تو اس کا مالک تین سال تک مجھ سے کام کیوں لیتا، میں نے خوشی سے اس کے ہاں کام کیا ہے''۔

انہوں نے کہا:'' آپ کا جرم کم اور سزا زیادہ ملی ہے، اب یہاں کبھی سیب کے درختوں پر پھل نہیں لگے گا''۔انہوں نے باغ کے مالک کو تسلی دینے کے بعد دعا کی کچھ ہی عرصہ بعد باغ کا سوکھا ہوا حصہ دوبارہ ہرا بھرا

ہو گیا، تاریخ اس درویش کو ابراہیم بن ادھم h کے نام سے یاد کرتی ہے، وہ بلاشبہ ایک مرد قلندر تھے۔(روزنامہ مصنف،۲۴/ستمبر۲۰۱۲ء)

مزارات اولیاء کی بے احترامی کا انجام

مقبرہ حضرت میاں میری قادری رحمۃ اللہ علیہ پر مہاراجہ رنجیب سنگھ بذات خود لیلیٰ گھوڑی پر سوار ہو کر بمعہ اعیان سلطنت چڑھ دوڑا تا کہ اس کو بھی (دیگر مقام کی طرح) تاخ وتاراج کر کے اس کے قیمتی پتھر نوچ لے۔ ابھی اس کی گھوڑی مقبرہ کی چہار دیواری سے باہر ہی تھی کہ وہ ایمائے ربانی سے ایسی گری کہ رنجیب سنگھ اوندھے منہ گرا اور اس کو سخت چوٹیں آئیں۔ چنانچہ اس نے یہ کہ کر اس خانقاہ معلیٰ کو تہس نہس کرنے سے روکا یہ شہنشاہوں کا پیر ہے لہٰذا مجھے بھی ان کی عزت وتکریم کرنی چاہئے۔

لاہور کے چشتی بزرگوں میں ایک نام حضرت سید رحمت اللہ شاہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا آتا ہے جو نواب عبد الصمد خاں دلیر جنگ ناظم لاہور کے پیرومرشد تھے۔ نواب صاحب محمد شاہ کی طرف سے سکھوں کی سرکوبی کے لئے خاص طور پر ناظم لاہور مقرر ہوئے تھے۔سکھوں کی غارت گری کے زمانے میں رنجیت سنگھ نے اپنی فوج کے ایک حصہ کی چھاؤنی آپ کے مزار کے قرب وجوار میں بنادی تھی۔فوجیوں نے مزار کے تقدس کا کوئی خیال نہ رکھا۔اسی دوران وہاں سے سانپ نکلنے شروع ہوئے جنہوں نے کئی سکھ فوجیوں کو کاٹ کھایا اور وہ مرگئے۔اس صورت حال سے فوجی خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے یہ جگہ خالی کر دی۔اس واقعہ کے بعد اس علاقے کے عوام وخواص نے آپ کو ''سپانوالہ پیر'' (سانپوں والے پیر) کے نام سے موسوم کیا۔

حوالہ جات: مندرجہ بالا دو واقعات کی بابت تفصیل کتاب ''مدینۃ الاولیاء'' مولفہ مورخ لاہور محمد دین کلیم قادری ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔

عقل و عشق کا موازنہ

عقل عیار ہے سو ۱۰۰ بھیس بنا لیتی ہے — عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں — عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل — عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
مردہ لادینئ افکار سے افرنگ میں عشق — عقل بے ربطئ افکار سے مشرق میں غلام
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق — عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

☆☆☆

بننے یا بگڑنے کا زمانہ طالب علمی کا زمانہ ہے

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندی رحمۃ اللہ علیہ نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

طالب علم اگر زمانہ طالب علمی میں بن گیا تو بن گیا اور اگر بگڑ گیا تو پھر بگڑ ہی گیا۔ بعد میں پھر نہیں بن سکتا۔ بہت مشکل ہے اس کی مثال تو سونے کی ہار جیسی ہے اگر ہار بنتے وقت سونے کو خوب جلایا گیا تپایا گیا، ایسا نہیں ہوگا کہ فلاں حسین وجمیل اور مالدار ہے تو اس کے لئے کھوٹا سونا کھرا ہو جائے، اسی طریقہ سے طالب علم اگر زمانہ طالب علمی میں نہیں بنا تو اس کے اندر کھوٹ برابر باقی رہے گا، وہ پڑھ لکھ کر فارغ ہو جائے گا، کسی مدرسہ کا مدرس اور مہتمم وناظم بھی ہو جائے گا لیکن اس کے اندر کھوٹ باقی رہے گا کیونکہ بننے کے وقت اس میں کھوٹ رہ گیا تھا۔

البتہ ایک صورت ہے بننے کی کہ سونا اگر کھوٹا رہ گیا ہو تو اس کو دوبارہ تپایا جائے، جلایا جائے اس پر محنت کی جائے تو پھر اس کا کھوٹ دور ہو سکتا ہے اسی طرح

طالب علم اگر فراغت کے بعد جلنے، پسنے اور مجاہدہ کرنے کے لئے تیار ہو تو اس کی بھی اصلاح ہوسکتی ہے لیکن ایسا بہت مشکل ہے، مدرس اور ناظم اور شیخ الحدیث بننے کے بعد پھر کہاں چھوٹا بننا آتا ہے اور پھر کہاں کسی کی جوتی سیدھی کرنے کی توفیق ہوتی ہے، پھر تو اپنا کام خود کرنے میں بھی آتی ہے اس لئے ایسے شخص میں ہمیشہ کھوٹ باقی رہتا ہے، اس کا مرض کبھی ختم ہی نہیں ہوتا، وہ کہیں بھی جائے گا اس کے اندر وہ مرض رہے گا، کیونکہ بننے کے وقت ہی اس میں کھوٹ باقی رہ گیا تھا، اس لئے سن لو یہ زمانہ ہے بننے کا بگڑنے کا، اللہ تعالیٰ نے آج تم لوگوں کو اچھے ماحول اور بننے کی جگہ میں بھیج دیا ہے، یہاں قرآن شریف پڑھنے کا ماحول ہے، دین کی باتیں کہنے سننے اور بری باتوں پر روک ٹوک کرنے کا ماحول ہے۔ اگر اس ماحول کا شکر اور قدر دانی کروگے تو اور ترقی ہوگی، (لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ) اگر ناشکری کروگے تو اس کا انجام بہت خراب ہوگا۔ (وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ) ناشکری کروگے تو میرا عذاب بھی سخت ہے، بس یہی زمانہ ہے بننے کا، انسان کی حالات یکساں نہیں رہتے، کچھ دنوں کے بعد تمہارے حالات اور ہوں گے گھر میں تمہارے حالات کچھ اور ہوں گے، بعد اگر تم کچھ کرنا بھی چاہوگے تو بہت مشکل ہوگا اس لئے جو کچھ کرنا ہو ابھی کرلو، اپنے کو بنانا ہو تو ابھی بنالو آج ہی سے اس کی فکر شروع کردو، اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر مدرسہ میں رہ کر نہ بنوگے تو کہاں بنوگے

حضرت نے طلبہ سے فرمایا: ایمانداری سے بتاؤ اتنے سال سے تم لوگ مدرسہ میں ہو ایک عمل بھی تمہارے اندر ایسا پایا جاتا ہے جس میں پختگی یا پابندی پائی جاتی ہو؟ کوئی ایک عمل بھی تم بتاؤ جس کو پابندی سے کرتے ہو؟ مدرسہ میں رہتے ہوئے تم کو

اتنے سال ہوگئے اور اب تک ایک عمل میں بھی پختگی نہ آسکی، تکبیر اولیٰ کا اہتمام اب تک تمہارے اندر نہ آسکا۔

دوسرے لوگ تم کو خیر کی بات بتلاسکتے ہیں، زبان سے کہہ سکتے ہیں، ترغیب دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور کیا کرسکتے ہیں کرنا تو تم کو ہے، دوسرے کے کرنے سے تم تھوڑی دیندار بن جاؤ گے، ڈاکٹر دوا دے سکتا ہے، سمجھا سکتا ہے، لیکن دوا تو خود اسی کو کھانا پڑے گی، مدرسہ بننے کی جگہ ہے اگر بننے کی جگہ تم نہ بنوگے تو کب اور کہاں بنوگے؟ منڈیوں میں اور دکانوں میں اور کارخانوں میں سامان فروخت ہوتا ہے لوگ وہاں سے خرید کرلاتے ہیں کارخانوں میں طرح طرح کی چیزیں بنتی اور تیار ہوتی ہیں، ہر چیز کارخانہ میں بنتی ہے اور ہر ایک شئی کا کارخانہ الگ الگ ہے، آخر انسانوں کے بننے کا بھی تو کوئی کارخانہ ہونا چاہئے، انسانوں کے بننے اور ان کی اصلاح تربیت کے کارخانے یہی دینی مدارس ہیں، اگر یہاں آکر انسان نہ بنیں گے تو پھر کہاں بنیں گے، ہمارا کام تو بتلانا اور سمجھانا ہے اس کے آگے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔

(ماخوذ از مجالس صدیق رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت تھانوی اور وقت کی قدر

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں...... ایک دن آنکھیں بند کرکے بستر پر لیٹے ہوئے تھے.... لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی اور فرمایا کہ بھائی مولوی محمد شفیع صاحب کو بلاؤ...... چنانچہ بلایا گیا جب مولانا تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ ''احکام القرآن''

لکھ رہے ہیں.... مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی جو فلاں آیت ہے اس سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا، میں نے آپ کو اس لئے بتادیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا۔ یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتادیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے ناظم تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے تکلف تھے انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت سے منع کر رکھا ہے، مگر آپ لوگوں کو بار بار بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں، خدا کے لئے ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا: فرمایا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ ''وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں..... اگر کسی کی خدمت میں عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے''۔

☆☆☆

حضرت خضر علیہ السلام کا عجیب واقعہ

کسی بستی میں کوئی عالم اللہ والے رہتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام جمعہ جمعہ کو ان کے پاس تشریف لاتے تھے۔ بادشاہ وقت کو پتہ چلا ان عالم سے کہا کہ اب کے حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائیں تو مجھے مطلع کر دیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے تو ان سے ان عالم صاحب نے کہا کہ بادشاہ آپ سے ملنے کی تمنا رکھتا ہے۔ اجازت ہو تو بادشاہ کو مطلع کر دوں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے انکار فرمادیا۔ بعد میں بادشاہ کو خبر لگی تو دریافت کیا اور کہا مجھے کیوں نہ بلایا؟ ان عالم صاحب نے یوں ہی کچھ کہہ کر ٹال دیا، دوسرے جمعہ کو پھر تشریف لائے، پھر بھی بادشاہ کو اطلاع نہ کی اور بادشاہ کے سوال کرنے پر پھر کچھ کہہ کر ٹال دیا۔ تیسرے جمعہ کو جب تشریف لائے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اجازت دیدی۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی اور وہ حاضر خدمت ہوا۔ ملاقات کی اور سوال کیا کہ کوئی عجیب بات سنادیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: کہ اتنی بڑی زمین اتنا بڑا آسمان اور اس میں طرح طرح کی مخلوقات آسمان کا بے ستون ہونا اور اس میں سیارات وکواکب وغیرہ کا ہونا عجیب بات نہیں تو اور کیا ہے؟ بادشاہ کہنے لگا یہ امر تو سب کے سامنے ظاہر ہے۔ اس سے بھی کوئی عجیب

بات سنا دیں۔تو فرمایا: کہ ایک وقت وہ تھا جب کہ آپ منی کا ناپاک قطرہ تھے۔ باپ کی صلب سے رحم مادر میں آئے۔ وہاں مختلف تغیرات سے دوچار ہوئے۔خون حیض سے غذا حاصل کی۔ پھر پیدا ہوئے۔ کچھ مدت تک بچے رہے۔ کھیلے کودے، پھر جوان ہوئے اور آج بادشاہ بنے بیٹھے ہو کتنی عجیب بات ہے۔اس پر بھی بادشاہ نے یہی کہا کہ یہ تو سب کے سامنے ظاہر ہے اور کوئی عجیب بات سنا دیں۔

تو فرمایا: کہ ایک مرتبہ ایک بستی سے باہر جانے کے لئے نکلا تو دیکھا کہ باغ میں ایک کنارہ پر ایک شخص انگوروں کا ٹوکرا لئے ہوئے بیٹھا ہے۔اس نے مجھے دیکھ کر آواز دی کہ او مسافر یہاں آ! میں گیا۔تو اس نے ایک خاص مقدار انگور تول کر مجھے دیئے۔ میں نے پوچھا کہ اس کی قیمت؟ تو اس نے کہا: کہ لیجاؤ! یہاں کے بادشاہ کا قانون یہی ہے کہ جو مسافر یہاں سے گذرے اس کو اتنی مقدار میں انگور دیدو۔ اور جب میں دوسرے کنارے پر پہنچا تو وہاں دیکھا ایک شخص مٹھائی لئے بیٹھا ہے۔اس نے بھی مجھے دیکھ کر آواز دی کہ او مسافر یہاں آ! میں اس کے پاس پہنچا۔تو اس نے ایک خاص مقدار مٹھائی تول کر مجھے دیدی۔ میں نے اس سے بھی پوچھا کہ قیمت؟ تو اس نے بھی یہی کہا: کہ یوں ہی لیجاؤ۔ یہاں کے بادشاہ کا قانون یہی ہے کہ جو مسافر یہاں سے گذرے اس کو اتنی مقدار مٹھائی دیدی جائے۔ اب میں لے کر چلتا بنا۔

پانچ سو برس بعد ادھر سے گذر ہوا تو دیکھا کہ باغ اور آبادی کچھ نہیں بلکہ ایک بڑا دریا بہہ رہا ہے۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہاں اس طرح کی آبادی تھی باغ تھا؟ اس نے کہا: ہم نے تو کبھی سنا نہیں۔ہم تو یہی دریا بہتا ہوا دیکھتے سنتے آرہے ہیں۔ وہاں سے چلا آیا۔ پانچ سو برس بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو اب وہاں دریا بھی نہیں بہت بڑا جنگل ہے۔ میں نے ملنے والے لوگوں سے دریا کا حال معلوم کیا تو انہوں نے بتلایا کہ یہاں تو کوئی دریا ہم نے نہیں سنا۔ یہاں تو یہ جنگل ہی چلا آرہا ہے۔اس کے بعد

میں وہاں سے چلا آیا۔ پانچ سو برس بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو دیکھا وہی باغ ہے وہی بستی ہے اور باغ میں دونوں کناروں پر دو شخص بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان کے پاس سے گذرا تو ایک نے مجھے بلا کر مخصوص مقدار میں انگور تول کر دیئے۔ میں نے پوچھا: کہ قیمت؟ تو اس نے کہا: کہ جا! اللہ کے بندے کل تو تجھے بتایا تھا کہ یہاں کے بادشاہ کا قانون ہی یہ ہے۔ آج پھر قیمت پوچھتے ہو۔ دوسرے کنارے پر مٹھائی والے نے مٹھائی دی قیمت پوچھنے پر اس نے بھی یہی جواب دیا۔

سو اب دیکھئے کہ ان کے (حضرت خضر علیہ السلام) کے یہاں پندرہ سو برس گذر گئے اور ان کے یہاں ابھی کل ہی ہے۔

فائدہ: اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ شانہ کی عظیم قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ پاک پروردگار خالق و مالک ہے، زبردست عظیم قدرت کا مالک ہے۔ اس عالم میں رونما ہونے والے عجیب وغریب محیر العقول واقعات اس خالق و مالک تعالیٰ شانہ کی عظیم قدرت کا پتہ دیتے ہیں۔ اس طرح اس عالم کی ایک ایک چیز ایک ایک ذرہ کی فنائیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ارشادات عالیہ

فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیا جائے۔ نعمتوں کا استحضار ہو، شکر سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ ناشکری سے محبت نکل جاتی ہے۔ ایمان سب سے بڑی دولت ہے۔ اس کی قدر کی ضرورت ہے۔ اس سے استقامت فی الدین اور خاتمہ بالایمان کی دولتیں حاصل ہوں گی۔

فرمایا کہ: گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں، گناہ مہلک اور روح کے لئے سنگین مرض ہے، دل بدن کا بادشاہ ہے، اعضاء کے گناہوں سے دل پر غلط خبریں

جائیں گی، تو پھر غلط اعمال کا صدور ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے۔ اس لئے ہر وقت قلب اور اعضاء کی نگرانی رکھنی چاہئے۔ ماخوذ

ولایت مادرزاد جنون بہتر ہے یا ہوش

ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ ولی مادرزاد ہیں اور بے حد بھولے بھالے ہیں، کرامات کثرت سے ان کے ہاتھ پر سرزد ہوتی ہیں۔ فرمایا: استغراق بھی عجیب چیز ہے، بہت سی آفات سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ ایک خادم نے عرض کیا جنون بڑی اچھی چیز ہے، مرفوع القلم ہونے سے عاقبت کا کوئی اندیشہ بھی نہ رہا۔ فرمایا: جو گناہ جنون سے پہلے ہو چکے ہیں وہ جا بھی نہیں سکتے، کیوں کہ توبہ بھی نصیب نہیں ہوسکتی، فرمایا: میرے قلب میں ایک ایسا وسوسہ جاگزیں ہوا جس سے ڈر کر مدت تک یہ تمنا رہی کہ کاش میں مجنون ہو جاتا تو ان رنج وغم سے نجات ملتی اور یہ سمجھتا رہا کہ حالت سہو سے حالت سکر اچھی ہے، لیکن پھر یہ سمجھ میں آیا کہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے، حواس وعقل بڑی دولت ہیں۔

ایک درویش کا مقولہ ہے کہ عقل وہ چیز ہے جس کے زائل کرنے والی چیز یعنی خمر کو خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ ثابت ہوا کہ عقل کا صحیح رکھنا مطلوب اور مامور بہ ہے۔ انسان پر مختلف حالات طاری ہوتے ہیں اور طبائع بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض قوی اور بعض ضعیف۔ مصائب کا خیال کر کے بعضے ان سے یکسوئی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان میں رہ کر ثابت قدمی کو۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے کلام میں ہے: ’’یٰلَیْتَنِی کُنْتُ شَجَرًا یُعْضَدُ‘‘ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو حالت طفولیت میں مرفوع القلم مرجانا پسند ہے یا بڑے ہوکر تکلیف شرعی میں رہنا۔ فرمایا: شق ثانی پسند ہے کیونکہ اس میں دولت عرفان تو حاصل ہوگی۔ یہ باتیں یاد کر کے وہ

خیال دور کیا۔ معلوم ہوا کہ صرف وسوسہ کا خوف تھا۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام بھولے نہیں ہوتے، عقل ظاہر بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتے ہیں۔

ولی مادرزاد ہونا ممکن ہے (وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا) ہم نے ان کو لڑکپن میں نبوت دی) اس کی دلیل ہے جب کہ حضرت یحییٰ u کو نبوت قبل بلوغت عطا ہوئی، تو ولایت تو اس سے کم درجہ کی چیز ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کرامات کا کثرت سے ہونا شیخ یعنی پیر بنانے کو مستلزم نہیں، شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے جو تربیت کے طریقوں کو جانتا ہو بلکہ تجربہ کار اور خوب ماہر بھولے آدمی میں یہ بات کہاں ہوسکتی ہے، اسی لئے انبیاء علیہم السلام بھولے نہیں ہوتے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فناء علمی کے بیان میں فرماتے ہیں کوئی پھر (یعنی) استغراق کے بعد دوسروں کو تکمیل کے لئے علم بالاشیا کی طرف عود کرایا جاتا ہے۔

☆☆☆

میں فقیروں سے کچھ نہیں لیتا!

روایت ہے کہ مرد قلندر حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو کسی نے بطور نذرانہ آپ کو ایک ہزار درہم پیش کرتے ہوئے قبول کرنے کی استدعا کی۔ آپ نے کہا کہ میں فقیروں سے کچھ نہیں لیتا۔ اس نے کہا کہ میں تو بہت امیر ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے اس سے زیادہ دولت کی تمنا نہیں ہے؟ اس نے اس اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا تو تو خود ضرورت مند اور حاجت مند بلکہ گروہ فقراء کا امیر ہے۔

کسی موقع پر ارشاد فرمایا: جس کو تین حالتوں میں دل جمعی حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس پر رحمت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اول تلاوت قرآن حکیم کے وقت، دوم حالت نماز میں سوم ذکر و استغفار کے وقت۔

ایک مرتبہ حجام آپ کا خط بنا رہا تھا کہ کسی نے عرض کیا کہ اس کو کچھ معاوضہ دے دیجئے گا۔ اتفاق سے اسی دوران کسی شخص نے اشرفیوں سے بھری تھیلی آپ کو نذر کی، آپ نے وہ تھیلی اٹھا کر اس کو دے دی لیکن اتفاق سے ایک سائل آ گیا اور حجام نے وہ تھیلی اسے دے دی۔ آپ کو اس کی اس غیر معمولی فیاضی پر تعجب ہوا اور تنبیہ کے طور پر فرمایا: اس تھیلی میں تو اشرفیاں بھری ہوئی تھیں، حجام نے پر وقار انداز

میں نہایت بے نیازی کے ساتھ جواب دیا: اس کا علم تو مجھے نہیں ہے البتہ اتنی بات جانتا ہوں کہ آدمی دل سے غنی (دولت مند) ہوتا ہے نہ کہ دولت سے لیکن (آپ اس بات کو سمجھ لیجئے کہ) میں جس کی راہ میں (جس کی محبت میں) لٹاتا ہوں اس سے (اس راز سے، اس بات سے) آپ ناواقف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کی بات سن کر مجھے بے حد شرمندگی ہوئی، میں نے نفس سے کہا کہ جیسا تو نے کیا ویسے ہی سزا ملی۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کس کی بندگی کرتے ہیں؟ یہ سن کر آپ لرزتے کانپتے زمین پر گر پڑے اور دیر تک لوٹتے تڑپتے رہے۔ پھر بیٹھ کر یہ آیت تلاوت کی ”اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْداً“۔ (آسمان اور زمین میں رہنے والے سب کے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے بندے ہو کر آنے والے ہیں) جب لوگوں نے سوال کیا کہ زمین میں گرنے سے پہلے آپ نے یہ آیت کیوں تلاوت نہیں کی؟ فرمایا کہ اگر میں خود کو اللہ کا بندہ کہوں تو حق تعالیٰ شانہٗ بندگی طلب کرے گا اور میں بندہ ہونے سے منکر بھی نہیں ہو سکتا۔

پوچھا گیا کہ آپ کے اوقات کن مشاغل میں گزرتے ہیں؟ فرمایا کہ میرے پاس چند سواریاں ہیں: جب نعمت حاصل ہوتی ہے تو شکر کی سواری پر ان کے سامنے جاتا ہوں، جب فرماں برداری کرتا ہوں تو اخلاص کی سواری پر سوار ہوتا ہوں۔ مصائب میں مبتلا ہوں تو صبر کی سواری سے کام لیتا ہوں۔

سفر حج کے دوران آپ کو کھانا میسر نہ ہوا تو ابلیس نے سامنے آ کر کہا کہ سلطنت چھوڑ کر سوائے فاقہ کشی کے آپ کو اور کیا ملا؟ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ دشمن کو دوست کے پیچھے کیوں لگایا؟ آواز آئی کہ تمہارے جیب میں جو کچھ ہے اسے پھینک دو تا کہ تمہیں اس کا راز معلوم ہو جائے (اس کے بہکانے کا راز معلوم ہو جائے، اس کے مکر وفریب کی وجہ سمجھ میں آ جائے)۔ چنانچہ جب آپ نے

جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو تھوڑی سی چاندی برآمد ہوئی۔ وہ پھینکتے ہی شیطان رفو چکر ہوگیا۔ (گویا اللہ تبارک پر مکمل توکل کے بعد ہی شیطان کے مکروفریب سے نجات مل سکتی ہے)۔ (اقتباس از مضمون عنایت اللہ چترپور، بحوالہ تذکرۃ الاولیاء)

قدرت الٰہی نے دو بڑی طاقتیں انسان کو دی ہیں، ایک عقل اور دوسرا جذبات، عقل کا کام غوروفکر کرنا اور صحیح راستہ ڈھونڈنا اور جذبات کا کام اس راستہ میں چلنے کی آمادگی اور سرگرمی پیدا کرنا ہے، دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

یہ بھی دھیان رکھئے کہ خدا کا انکار کرنے کے بعد یا خدائی احکامات سے انحراف اور اعتراض کرنے کے بعد انسان کو کوئی ایسی ہستی نہیں ملتی جس سے وہ دل وجان سے محبت کرے۔ خدا کی بندگی اور اطاعت اور اس ذات پاک کے عشق ومحبت کا نعم البدل تلاش کرنا ممکن ہی نہیں۔

منزل پہ مجھ کو دیکھ کے حیراں تو سب ہوئے   لیکن کسی نے پاؤں کے چھالے نہیں دیکھے
آگے کسو کے کیوں کریں دستِ طمع دراز   وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

(میر تقی میر)

چند انمول واقعات

رسول اکرم ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مال واولاد میں برکت کی دعا فرمائی تھی، چنانچہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال وجائیداد سے نوازا۔ رسول اکرم ﷺ کی دعاء کی برکت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے پاس ایک باغیچہ تھا جس میں (خلاف معمول) سال میں دو مرتبہ پھل لگتا تھا۔ اور اس باغیچہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد ۱۰۰ سے تجاوز کر چکی تھی۔

نام نامی انس بن مالک بن نضر ہے، بچپن ہی میں آپ کی ماں ام سلیم نے آپ کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی سفر

وحضر میں دس سال تک خدمت کی اور آپ کو خادم رسول ہونے پر فخر تھا۔ آپ کی وفات بصرہ میں ایک قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی۔ نبی کریم ﷺ بعض اوقات از راہ مزاح آپ کو یا ذا الاذنین (اے دو کانوں والے) کہہ کر پکارتے تھے۔ خلافت صدیق وفاروق میں آپ بحرین کے عامل رہے۔ آپ کو نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ جب بھی آپ حضور کا ذکر کرتے زاروقطار روپڑتے تھے۔ آپ نے ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی وفات پر مورق عجلی نے کہا ''آج دنیا سے آدھا علم رخصت ہوگیا''۔

حضرت ام سلیم کے شوہر ابوطلحہ انصاری تھے جن کا نام زید بن سہل تھا اور ان کا تعلق انصاری قبیلہ بنونجار سے تھا۔ ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ قائم کیا۔ غزوہ احمد میں نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے انہیں ۳۵ سے زیادہ زخم آئے۔ انہوں نے ۳۱ھ یا ۳۴ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ، جلد ۶)

شیخ محی الدین ابن عربی ''حلیۃ الابرار'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تین دن طاعون (پلیگ) واقع ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو حضور سرور کائنات ﷺ کے خادم تھے اور حضور ﷺ نے ان کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تھی۔ ان کے ۸۳ بیٹے اس بیماری میں فوت ہوگئے تھے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ۴۰ بیٹے وفات پاگئے تھے۔ آفات وبلیات کی زد میں آنے کے واقعات جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ساتھ اس طور پر پیش آسکتے تھے تو پھر ہما شما کا کیا ٹھکانہ اور شمار۔ لہٰذا تقدیری معاملات میں اور مشیّت الٰہی پر صبر سے کام لینا چاہیے۔

احمد جام ژندہ پیل حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے۔ ان کی ولادت ۴۴۱ھ میں جام کے قریب

ایک گاؤں ناحق میں ہوئی۔ مشہور ہے کہ امی تھے لیکن ۲۲ سال کی عمر میں علم لدنی حاصل ہوگیا۔ توحید و معرفت و اسرار میں کتابیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ۴۲ بیٹے عطا فرمائے تھے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو ۸ بیویوں سے ۴۲ ر بچے عطا فرمائے جن میں سے ۳۹ ر لڑکے اور ۳ لڑکیاں تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد ۱۴ ر لڑکے اور ۳ ر لڑکیاں زندہ رہ گئیں۔ یہ چودہ کے چودہ لڑکے عالم باعمل، صاحب کرامت، صاحب ولایت، کامل واصل، صاحب تصنیف و تالیف، خلق کے پیشوا اور مقتدی تھے۔ (مراۃ الاسرار، حاشیہ، ص: ۴۹۹)

ان کے بیٹے شیخ ظہیر الدین اپنی کتاب ''رموز الحقائق'' میں لکھتے ہیں کہ میرے باپ کے ہاتھ پر کم و بیش چھ لاکھ کافر اسلام لائے۔ ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی وہ غزل بہت مشہور ہے (جس کے دوسرے شعر پر[2] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو محفل سماع میں ''حال'' آیا تھا اور تین روز اسی کیفیت میں رہنے کے بعد جان جان آفریں کے سپرد کی تھی)۔ وہ شعر یہ ہیں

۱ منزلِ عشق از مکان دیگر است — مرد معنیٰ را نشان دیگر است

۲ کشتگان خنجر تسلیم راہ — ہر زماں از غیب جان دیگر است

(تسلیم و رضا کے خنجر سے کچلے ہوئے لوگوں کو ہر لمحہ غیب سے ایک نئی جان ودیعت ہوتی ہے)

۳ عشق را مدرسہ تعلیم نیست — کاں چناں علم از بیان دیگر است

۴ دل خورد خم وزدیدہ خوں چکد — ایں چنیں زخم از کمان دیگر است

۵ احمد تاگم نہ گردی ہوشدار — کیں جرس را کاروانِ دیگر است

☆☆☆

ایثار و قربانی

مجھے نہیں، پہلے میرے دوست کو بچاؤ!

ایک بڑے سے پیڑ پر ایک کوے کا گھونسلا تھا۔ ایک دن کوا درخت کی ٹہنی پر بیٹھا ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ اسے ایک شکاری کندھے پر جال لٹکائے، پیٹھ پر توبڑا لادے اور ہاتھ میں لاٹھی لئے درخت کی طرف آتا دکھائی دیا۔ کوئے کو فکر ہوئی کہ کہیں میرے درپے نہ ہو۔ چنانچہ پتوں میں چھپ گیا اور وہاں سے جھانکنے لگا۔

شکاری نے درخت کے نیچے پہنچ کر جال بچھا دیا اور اس پر کچھ دانہ بکھیر کر خود گھات میں جا بیٹھا۔ کوئی ایک گھڑی بعد کبوتروں کی ایک ٹکڑی نمودار ہوئی۔ ان کا سردار ایک کبوتر تھا جسے مطوقہ کہتے تھے۔ وہ نہایت زیرک اور ذی فہم تھا۔ اسی لئے سب کبوتر اسی کی اطاعت کیا کرتے تھے۔

جیسے ہی کبوتروں کی نظر دانے پر پڑی وہ اترنے لگے۔ مطوقہ نے انہیں روکنا چاہا، مگر وہ بھوک سے ایسے بے قرار ہوئے تھے کہ کچھ کہنا سننا بے فائدہ تھا۔ آخر خود مطوّقہ بھی سب کے ساتھ اتر آیا اور سب نے دانہ چگنا شروع کر دیا۔ لیکن ایک پل بھی نہ گزرا تھا کہ شکاری نے جال کی رسی کھینچی اور وہ سب کے سب جال میں پھنس گئے۔

مطوقہ بولا: میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ بے سوچے سمجھے دانے پر گرنا ٹھیک نہیں''۔ کبوتر بہت شرمندہ ہوئے، مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔ سب افسوس کرنے لگے۔ اتنے میں شکاری گھات سے نکل کر جال کی طرف بھاگا کہ کبوتروں کو قابو کرے اور پھر اپنے گھر لے جائے۔ کبوتروں نے جب اسے دیکھا تو گھبراہٹ سے پھڑ پھڑانے لگے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح پھندے سے نکل جاؤں۔ سب اپنے اپنے طور پر جدوجہد کر رہے تھے۔ لیکن کامیابی کسی کو بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

مطوقہ نے کہا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اپنے ساتھیوں کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ دوستی کا تو یہ تقاضا ہے کہ دوستوں کا خیال پہلے ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو دوست کشتی میں دریا کا سفر کر رہے تھے کہ کنارے کے قریب پہنچ کر کشتی ٹوٹ گئی اور وہ پانی میں جا پڑے۔ ایک ملاح نے جو کنارے پر کھڑا تھا دیکھا کہ دونوں ڈوبنے کو ہیں۔ وہ انہیں بچانے کے لئے پانی میں کودا لیکن وہ دونوں میں سے جس کے پاس تیر کر پہنچتا تھا وہ یہی کہتا تھا کہ مجھے نہیں پہلے میرے دوست کو بچاؤ۔ اگر تم کبوتروں میں اتنی ہمت نہیں کہ اس طرح اپنے دوست کی زندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دو تو کم سے کم یہ تو کر سکتے ہو کہ ایک دوسرے کی مدد کرو یعنی سب مل کر جال سمیت اڑنے کی کوشش کرو!

کبوتروں نے یہی کیا۔ سب نے مل کر زور لگایا اور جال کو ہوا میں لے اڑے۔ شکاری نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے منہ اٹھائے بھاگا، اس امید پر کہ شاید ذرا سی دیر میں تھک کر گر پڑیں گے۔

کوے نے کبھی اس طرح کی صورت نہیں دیکھی تھی، بڑا حیران ہوا۔ جی میں کہنے لگا: میں بھی کبوتروں کے پیچھے اڑوں گا اور دیکھوں گا کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ تجربہ حاصل کرنا چاہئے، چنانچہ وہ کبوتروں کے پیچھے ہولیا۔

مطوقہ اپنے ساتھیوں سمیت جال کو اڑائے لئے جا رہا تھا اور نیچے زمین پر شکاری ادوڑ رہا تھا۔ مطوقہ نے جب یہ دیکھا کہ شکاری پیچھا نہیں چھوڑتا تو اس نے کبوتروں سے کہا کہ یہ کم بخت بری طرح پیچھے لگا ہے۔ جب تک اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہوں گے ہمارا تعاقب نہ چھوڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم آبادی کا رخ کریں اور کانوں اور باغیچوں پر سے پرواز کریں، تاکہ اسکی نظر سے اوجھل ہو جائیں۔

کبوتروں نے یہی کیا۔ شکاری نے جب دیکھا کہ کبوتر نظر نہیں آتے تو مایوس ہو کر واپس لوٹ گیا، لیکن کوا ان کے پیچھے برابر اڑتا رہا۔ جب کبوتروں کو شکاری کی طرف سے اطمینان ہوا تو مطوقہ سے پوچھنے لگے کہ اب جال سے نکلنے کی کیا تدبیر کریں؟

مطوقہ نے کہا ''میری رائے میں کسی وفادار دوست کی مدد کے بغیر ہماری رہائی ممکن نہیں۔ یہاں سے قریب ہی ایک چوہا رہتا ہے۔ جس کا نام زیرک ہے اور جو میرے خاص احباب میں سے ہے، وہ شاید ہمیں اس مصیبت سے نجات دلوا سکتے''۔

سب کبوتروں نے یہ بات پسند کی اور جال سمیت اس ویرانے میں اتر گئے جہاں چوہے کا بل تھا۔ مطوقہ نے چوہے کو آواز دی۔ وہ بل سے نکلا اور اپنے دوست کو جال میں جکڑا دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ کہنے لگا۔ ''اے یار عزیز، یہ کیا ہوا؟ تجھ جیسا عقل مند اور دور اندیش، کیسے جال میں گرفتار ہو گیا''؟

مطوقہ نے جواب دیا ''مشیت ایزدی یہی تھی۔ دانہ دیکھ کر میرے ساتھی اترنے لگے، میں نے ان کو روکنے کی کوشش بھی کی مگر تقدیر کے آگے کیا پیش جاتی ہے، وہ اور میں سب جال میں پھنس گئے۔

زیرک نے کہا ''خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ میں ابھی جال کے پھندوں کو کتر دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر مطوقہ نے بند کترنے شروع کر دیئے۔ مطوقہ نے کہا: اے دوست! پہلے میرے ساتھیوں کے بند کاٹ،

لیکن چوہے نے اس بات کی پرواہ نہ کی۔ اب مطوقہ نے اصرار سے کہا کہ اے زیرک، اگر تجھے میری خوشی منظور ہے اور میری دوستی کا پاس ہے تو پہلے میرے ساتھیوں کو آزاد کر“۔

چوہے نے کہا”کیا تجھے اپنا خیال نہیں ہے؟ کیا تیرے نفس کا تجھ پر کوئی حق نہیں ہے؟

مطوقہ جواب دیا”میں ان کبوتروں کا سردار ہوں، ان کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔ یہ مجھے یہاں تک اڑا کے لائے ہیں اور اس طرح میرا جوان پر حق تھا وہ ادا ہوگیا۔ اب ضروری ہے کہ ان کا جو مجھ پر حق ہے وہ بھی ادا ہو“۔ جو بادشاہ اپنی آسائش دیکھتا ہے اور رعایا کی تکلیف کا خیال نہیں کرتا اس کا اقتدار دیرپا نہیں ہوتا“۔

مطوقہ نے کہا”مجھے ڈر ہے کہ اگر تو مجھ سے شروع کرے تو شاید جال کے پھندے کاٹتے کاٹتے تھک جائے اور میرے بعض ساتھی مقید رہ جائیں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ میرا نمبر سب سے آخر میں آئے، پھر کوئی اندیشہ نہ رہے گا کیونکہ تو کتنا بھی تھک جائے مجھے آزاد کئے بغیر چین نہ لے گا“۔

چوہے نے مطوقہ کی اس مردانگی اور مروت کی تعریف کی اور ایک ایک کر کے سب کبوتروں کو آزاد کر دیا۔ سب سے آخر میں مطوقہ کے بند کاٹے۔ کبوتروں نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنے ٹھکانے کی طرف اُڑ گئے۔

نوٹ: (۱) یہ کہانی ابن مقفع کی تالیف ”کلیلہ ودمنہ“ سے لی گئی ہے اور اس کے ایک اردو ترجمہ سے ماخوذ ومستفاد ہے۔

عبداللہ ابن مقفع ایرانی الاصل تھے۔ بعد میں اسلام لائے۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے بے مثل انشاء پرداز تھے۔ فارسی سے عربی ترجمہ کرنے میں انہیں کمال حاصل تھا جس کا زندہ ثبوت ”کلیلہ ودمنہ“ کا پہلوی سے عربی میں ترجمہ ہے۔

اصل کتاب سنسکرت میں تھی لیکن اب اس کا پتہ نہیں چلتا۔ کلیلہ ودمنہ کی بدولت عربی نثر میں فصاحت وبلاغت کے ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ کتاب میں پند ونصیحت کے ضمن میں اکثر کہانیاں جانوروں کے متعلق ہیں جن کے ذریعے اخلاق سدھارنے کی تربیت دی گئی ہے۔ ابن مقفع ۱۶۲ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں منصور عباسی کے حکم سے قتل کئے گئے۔

(۲) مطوقہ کنٹھی دار کبوتر کو کہتے ہیں۔

اس کا باطن بھی دیکھتے ہم دم
جس کی صورت ہے دلنواز بہت

☆☆☆

بھلا کر بھلا ہوگا

کسی گاؤں میں ایک فقیر رہتا تھا۔ جو'' بھلا کر بھلا ہوگا'' کی آواز لگا کر بھیک مانگتا تھا۔اسی گاؤں میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو روزانہ فقیر کے یہ جملے سنا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے چاہا کہ فقیر کو کیوں نہ آزمایا جائے کہ اس کی بات سچ ہے یا جھوٹ۔ ایک روز اس نے چار لڈو بنائے اور دو میں زہر ملا دیا۔دوسرے دن جب فقیر گاؤں میں آیا تو بڑھیا نے اسے بلایا اور چاروں لڈو اس کو دے دیئے۔لڈو اپنی جھولی میں رکھ کر فقیر اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔اپنی جھونپڑی میں جا کر اس نے دو لڈو کھائے دو صبح کے کھانے کے لئے رکھ کر سو گیا۔جیسے جیسے رات کا اندھیرا گہرا ہونے لگا آسمان پر بادل چھانے لگا۔ اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اس طوفانی رات کے اندھیرے میں کسی نے فقیر کے دروازے پر دست دی۔فقیر نے دروازہ کھولا تو دو فوجیوں کو کھڑا پایا۔فوجیوں نے فقیر کو بتایا کہ ہم فوج سے چھٹی لے کر آئے ہیں اور قریب ے گاؤں کے رہنے والے ہیں۔رات ہوگئی ہے راستہ خطرے سے خالی نہیں ہے اور بارش بھی ہو رہی تھی۔اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ رات آپ کی جھونپڑی میں گزار دیں۔فقیر نے مسکرا کر کہا بیٹا یہ جھونپڑی تمہاری ہے جب تک چاہو رہو۔انہیں

بھوک بھی لگی تھی۔اس لئے فقیر سے کہا بابا کچھ کھانے کو ملے گا۔فقیر نے وہ دو لڈو دے دیئے۔دونوں فوجی وہ لڈو کھا کر سو گئے۔صبح جب فقیر نے انہیں جگایا تو وہ انہیں اٹھے وہ مر چکے تھے۔فقیر سمجھ گیا کہ لڈو میں زہر ملا ہوا تھا۔فقیر گاؤں گیا اور اس بڑھیا سے کہا کہ ماں کل تم نے جو لڈو دیئے تھے ان میں سے دو میں کھا گیا۔دو بچا کر رکھے تھے تو وہ دو رات آئے ہوئے بھوکے مسافر جو کہ فوجی تھے انہیں کھلا دیئے۔ وہ لڈو کھا کر مر گئے۔ بڑھیا کو ایک دم چکر سا آگیا اسے معلوم تھا کہ اسی کے دونوں فوجی بیٹے گاؤں آنے والے تھے۔سنتے ہی گھبرا گئی اور فوراً ہی اس بڑھیا نے فقیر کے گھر جا کر دیکھا تو اسی کے بیٹے مرے پڑے تھے۔اس وقت بڑھیا کے کانوں میں فقیر کی آواز گونجنے لگی '' بھلا کر بھلا ہوگا برا کر برا ہوگا''۔(ماخوذ)

جس چیز کو بدلنا ہے وہ خود ہمارا طریقہ کار ہے

☆☆☆

وضو اور طہارت کی اہمیت

وضو اور طہارت کا (حتی الامکان) خیال رکھنا چاہئے اس معاملہ میں بے احتیاطی نہیں برتنی چاہئے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ’’کیسی قضا‘‘؟ (طہارت کے وسائل کے دستیاب نہ ہوسکنے پر یا اور کسی وجہ سے قضا کی نوبت آجانا) ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں کہ بھیڑ ہے ،نماز کی جگہ نہیں ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے (ادا وقت کے اندر) نماز پڑھ لے۔ ایک صاحب ٹرین کی ریلنگ پکڑ کر سفر کرتے رہے، ایسی حالت میں بھی نماز پڑھی، کہتے تھے کہ حضرت والا کی تربیت ہی ایسی تھی۔ البتہ جہاں وضو بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔ تیمّم کرسکتے ہیں۔ جن کو وضو کرنے کی طاقت اور صلاحیت ہے ان کو کوشش کرنا چاہئے کہ وضو کرلیا کریں، اسکت اور غیر ذمہ دارانہ پن سے تیمّم کرکے نہ پڑھیں۔ قبلہ کی سمت کا اندازہ کرنا چاہئے۔ پوچھنے کی زحمت کرنی چاہئے۔ جب کوئی صورت نہ ملے تو مجبوراً اپنے قیام پر متوقع سمت کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مرید اور مراد

(روایت ہے کہ) ایک مجلس میں صحابہ رضی اللہ عنہم رونے لگے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے پوچھا کہ کون سی بات ہے جو میرے اصحاب کو رلا رہی ہے۔ وہ کہنے لگے: حضور ﷺ! آج یہاں آپ کیساتھ ہیں کل وہاں کیا ہوگا؟ ارشاد نبوی ﷺ ہوا: اَلْمَرْءُ مَا مَنْ اَحَبَّ (جس کو جس سے محبت ہوگی وہ اس کے ساتھ ہوگا) دنیا میں ایسی کوئی قوم کوئی جماعت ملتی ہے کہ جو اپنے آقا سے بے حد محبت رکھتی تھی۔ یہ وہی (صحابہ کرام کی) جماعت ہے۔ ان کے بعد وہی لوگ ہیں جنہیں ان کی طبیعت میں اپنے نامور اسلاف کے ذریعہ (یہ دولت) حاصل ہوئی۔ (دراصل) مرید اسی کو کہتے ہیں کہ جو چاہت رکھتا ہے، محبت رکھتا ہے جب اللہ واسطے آدمی کام کرے گا۔ (اس دولت کا مستحق بنے گا۔ اس راہ کا راہی) کبھی وہ مریض ہوتا ہے کبھی مرید بنتا ہے اور کبھی مراد بن جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں دعویٰ کرنے کی نہیں ہوتی ہیں، اگر دعویٰ ہو تو دلیل ہونی چاہئے ، قال ہے تو حال ہونا چاہئے، نہیں ہے تو اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے جو ٹوٹا پھوٹا کررہے ہیں کرتے رہنا چاہئے، اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے جب اللہ کی طرف سے محبت کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ اپنے شیخ سے اس کے طریقہ سے محبت ہونی چاہئے۔ (اس محبت کا تقاضہ ہے کہ) اس پر محنت ہونی چاہئے۔ جو لگا رہتا ہے پا ہی جاتا ہے، جو کھو جاتا ہے اپنی مراد کو پا جاتا ہے۔

ہم جیسے لوگ نہ مرید ہیں نہ مراد بس میٹھا میٹھا چاہئے۔ باتیں بنانے والے مرید ہیں، جان دینے والے نہیں، جان لینے والے مرید ہیں، جوش وخروش میں مشہور بھی ہوگئے۔ (ماخوذ تزکیہ نقوش سہ ماہی منگراواں اعظم گڑھ یوپی)

☆☆☆

تبرّک کسے کہتے ہیں؟

حضرت حبیب الامت عمت فیوضھم سے بعد نماز جمعہ مجلس رحیمی میں شامل ایک صاحب نے سوال کیا۔ ہندوستان کے سماجی اور معاشی حالات کے تحت ایک مسلمان غیر مسلم سے کاروبار میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار جائز ہے حضور ﷺ نے نبوت کے بعد بھی غیر مسلموں سے کاروبار کیا ہے۔ دوبارہ عرض کیا غیر مسلم لوگوں کا سودی لین دین اور سودی کاروبار بھی ہوتا ہے اس اعتبار سے ان کا پیسہ جائز اور حلال نہیں ہوتا کیا اس حالت میں بھی ایک مسلمان کاروبار میں شرکت کرسکتا ہے؟

فرمایا جو شخص ابھی مسلمان نہ ہوا ہو وہ احکام اسلام اور شریعت مطہرہ کا پابند نہیں ہوسکتا۔ ایسے شخص سے شریعت نے کاروبار کی گنجائش رکھی ہے دوسروں سے وہ کیا کاروبار کررہا ہے اس سے قطع نظر آپ اپنے کاروبار میں ہر حال میں جائز اور حلال کا خیال رکھئے ورنہ گنہگار رہوں گے۔ البتہ اس کے دیگر کاروبار ایسے ہوں کہ جن کا غیر شرعی ہونا ظاہر ہو اور وہی پیسہ آپ کے کاروبار میں ملنے کا اندیشہ ہو اس وقت احتیاط لازمی اور ضروری ہے ایسے لوگوں کے ساتھ تجارت نہ کی جائے۔

ایک صاحب نے سوال کیا حضرت ہمارے پڑوس میں ایک غیر مسلم ہے وہ قرآن شریف مانگ رہا ہے کیا اس کو قرآن دے سکتے ہیں کیوں کہ وہ ناپاک ہیں قرآن نے کہا ہے ”**انما المشرکون نجس**“ تو ناپاک آدمی کو کیسے قرآن دیا جائے جبکہ قرآن کو چھونے کی شرط اول ہے کہ آدمی پاک ہو۔

حضرت نے ارشاد فرمایا قرآن کریم غیر مسلموں کو خواہ وہ ہندو ہو، پارسی ہو، مجوسی، عیسائی ہو، یا یہودی ہو دینا جائز بھی ہے اور احسن بھی، ہوسکتا ہے۔ آپ جس کو قرآن دیں اور وہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور ہدایت سے مالا مال فرمادیں دوسرے قرآن نے انما المشرکون نجس جو فرمایا ہے اس سے حالت جسمانی مراد نہیں ہے بلکہ حالت کفر مراد ہے کہ وہ عقائد اور روحانی اعتبار سے ناپاک ہیں احتیاط اس میں ہے کہ قرآن شریف دیتے وقت ان کو قرآن کے آداب اور اس کی عظمت سے واقف کرایا جائے اور بتایا جائے کہ پہلے اچھی طرح غسل کرلو یا وضو کرلو یا کم از کم ہاتھ منہ اچھی طرح دھولو تیسری بات یہ کہ ایسے غیر مسلموں کو جو قرآن کے طالب ہوں قرآن قیمتاً نہیں ہدیتاً دیا جائے اور اس میں دعوت اسلام کی نیت کی جائے اور دعاء بھی کریں اے اللہ اس شخص کا سینہ اسلام کے لئے کھول دے کیوں کہ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہونچانا فرائض دینیہ میں شامل ہے۔

حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا حضرت لوگ حج کو جاتے ہیں ان میں سے بعض وہاں کی مٹی پتھر کنکرا ٹھا کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تبرک ہے کیا واقعی وہ تبرکات میں شامل ہیں۔

آپ نے فرمایا نہیں نہیں ایسی کوئی چیز تبرکات میں شامل نہیں ہے تبرک تو زمزم ہے اور مدینہ شریف کی کھجوریں بس ان کے علاوہ کوئی چیز تبرک نہیں ہاں مثلاً ایک پتھر مسجد حرام کے صحن میں لگایا ہے یا مسجد نبوی کی دیواروں میں لگا ہے یا فرش میں لگا ہے تو

جب تک لگا ہے وہ قابل احترام ہے جب وہاں سے الگ کر دیا گیا وہ قابل انکار کیا ہے حضور ﷺ نے ببول کے جس درخت سے اپنی کمر شریف لگا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت رضوان لی تھی آپ ﷺ کے وصال کے بعد کچھ لوگ اس درخت کو یادگار کے طور پر تبرک ماننے لگے اور چومنے لگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو کٹوا دیا تو معلوم ہوا کہ اس طرح کے تبرکات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

فرمایا: سرزمین ہندوستان سے ایک صاحب حج کے لئے گئے جب وہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو انہوں نے مسجد نبوی کے صحن میں دیکھا کہ باریک باریک کنکریاں بچھائی گئی ہیں ان صاحب نے بطور تبرک ان میں سے چند کنکریاں اٹھائی اور جیب میں رکھ لی آتے وقت ہندوستان لے کر آگئے چند دن کے بعد ان کے گھر میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا کہ رات ہوتے ہی کسی کے رونے کی آواز آنے لگی تمام گھر والے پریشان ہوئے عاملوں کو دکھایا کسی نے کہا کہ جن روتے ہیں کسی نے کہا کہ بھوت آگئے ہیں بدروحیں آگئی ہیں کافی علاج کے بعد بھی وہ رونا بند نہ ہوا کئی ماہ گذر گئے ان صاحب کو معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ایک بزرگ ہیں جو مستجاب الدعاء ہیں یہ ان سے دعاء کرانے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اللہ والوں نے ان کی بات سن کر فرمایا تم اپنی زندگی کے خاص خاص واقعات بیان کروتا کہ میں اندازہ لگا سکوں کہ یہ مصیبت تم پر کیوں وارد ہوئی ہے تو حاجی صاحب نے اپنی زندگی کے واقعات سنائے کہا کہ الحمد اللہ میں حاجی ہوں اور میں جب حج کو گیا تھا تو مسجد نبوی سے تبرک کے طور پر کچھ کنکریاں بھی لایا تھا بحمد اللہ تعالیٰ وہ کنکریاں میرے گھر میں اب بھی رکھی ہیں تو ان بزرگ نے فرمایا بس، میں نے تمہاری پریشانی کا سبب ڈھونڈ لیا ہے خاموش ہو جاؤ۔ تو ان بزرگ نے فرمایا وہ پتھر یا کنکر جب تک مسجد نبوی میں تھے وہ تبرک تھے قابل احترام تھے جب ان کو وہاں سے ہٹا دیا ہے تو ان کی وہ حیثیت ختم ہوگئی بات یہ

ہے کہ تمہارے گھر میں سے رونے کی آواز ان کنکریوں میں سے آتی ہے کہ کہاں وہ مسجد نبوی کے صحن میں تھیں اور آنے والے مہمانان رسول ﷺ ان پر نماز پڑھتے تھے اور کہاں یہ مقام کہ ان کو وہاں سے ہٹا کر ہندوستان لے آئے ہو اور ان کو باندھ کر رکھ دیا گیا ہے وہ اپنے سابقہ مقام کو یاد کر کے روتی ہیں جاؤ بہتر یہی ہے کہ ان کنکریوں کو مسجد نبوی کے صحن میں ہی ڈال کر آجاؤ۔ تو یہ صاحب اپنے گھر واپس آئے اور رات کو ان کنکریوں کے اپنے سامنے رکھ کر دیکھا تو واقعی ان میں سے رونے کی آواز آرہی تھی یہ صاحب دوبارہ حج کو گئے اور ان کو مسجد کے صحن میں لے جا کر ڈال دیا تو گھر میں رونے کی آواز بند ہوگئی۔

فرمایا یہ واقعہ یا اسی طرح کے کچھ اور واقعات عبرت آمیز ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ ہر آدمی کو اس طرح کا حال پیش آئے لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام میں اس قسم کے تبرکات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حاضرین میں ایک صاحب نے پوچھا گالی دینے سے تو گناہ ملتا ہے لیکن چھوٹا بچہ اگر گالی دے تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

ارشاد فرمایا گالی دینا شریعت کے خلاف ہے کوئی بھی نیک اور شریف آدمی گالی نہیں دیتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک بار گالی دینے سے چالیس دن تک دعاء قبول نہیں ہوتی، کتنا بڑا نقصان ہے یہ مومن اور مسلمان کے لئے نیز بچہ اگر گالی دے رہا ہے یا گندا الفاظ استعمال کر رہا ہے تو والدین یا سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کو سمجھائیں اور بتائیں کہ گالی دینے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اگر نہ مانے تو ڈانٹے تنبیہ کرے اور پھر بھی باز نہ آئے تو پٹائی کرے تاکہ ہمیشہ کے لئے تنبیہ ہو جائے۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ سابق وزیر تعلیم حکومت ہند اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ کم سنی میں نے ایک بار نوکر کو گالی دیدی والدہ کو معلوم ہوا کہ تو ان کو افسوس ہوا میں گھر پہونچا تو والدہ نے کہا ابوالکلام دور ہو جاؤ تمہارے منہ سے بدبو آرہی ہے۔ اور بطور نصیحت فرمایا ایسا لگتا ہے کہ تم نے کسی کو گالی دی ہے مولانا آزاد نے اپنی والدہ سے معافی مانگی والدہ نے استغفار کرایا اور کلی کرائی والدہ کی تربیت کا اثر تھا کہ بڑے ہوکر امام الہند بنے۔ (مجلس رحیمی دارالعلوم محمدیہ سے ماخوذ از قلم مولانا امداداللہ ندوی)

☆☆☆

تلقین

زندگی کو راہ فنا کہئے
موت کو منزل بقا کہئے
جو مردہ ہو اور نہ زندہ ہو
ہائے اس آدمی کو کیا کہئے

(حکیم سید اصغر زیدی مجددی)

بوقت نزع تلقین کرنا: حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلقین کرو (ان کے قریب کلمہ پڑھو) (مسلم)

☆☆☆

اس بحرِ دنیا سے ڈر کہ......

اس بحر دنیا سے ڈر کہ بہتیری مخلوق اس میں ڈوب چکی ہے۔مخلوق میں شاید باید کوئی اس سے نجات پاتا ہے یہ بڑا گہرا سمندر ہے سب کو غرق کر سکتا ہے۔(غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

جب تک دنیا کی قباحت ظاہر نہ ہو اس کی قید سے نکلنا محال ہے۔اور جب تک انسان اس کی قید سے نہ نکلے فلاح ونجات اخروی کا حصول بہت دشوار ہے۔(مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) ہوشیار! ہرگز شیطان کی دعوت اور چال میں نہ پڑنا حضرت رحمٰن تمہیں جنت اور مغفرت کی دعوت دیتے ہیں۔ جو سلامتی کی راہ ہے۔سلامتی کے ساتھ جنت میں دارالسلام کے داخلے کا باعث ہے۔(حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الا میں پیدا
یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ نہیں
اس آس پہ جیتا ہوں کل کوئی یہ کہہ دے آکر
چل تجھ کو مدینے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں

☆☆☆

اصل شئے اخلاص ہے

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:تمہاری اشہد ان لا الہ الا اللہ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اشہد ان لا الہ الا اللہ کو خندہ آتا ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ خشوع وخضوع سے کہتے تھے اور تمہارے الفاظ ہی الفاظ ہیں۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ادھر گزر ا ہوا دیکھا تو ان کے الفاظ درست نہیں ہیں اس لئے ان کی اقتدا نہیں کی۔خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا تو پوچھا کہ اے اللہ! بہترین اعمال کیا ہیں حکم ہوا کہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل شئے اخلاص ہے۔

فلاح کا دارومدار قلب پر ہے

فرمایا:اصلاح قلب کو لوگوں نے بالکل ہی پس پشت ڈال دیا ہے اس کی طرف مطلق التفات نہیں ہے حالانکہ مدار قلب پر ہے بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ظاہری حالت ان کی اچھی نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ قلوب ان کے اللہ تعالیٰ کی

محبت سے پر ہیں اس لئے وہ مقبول ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ظاہران کا بہت اچھا ہے لیکن قلب میں چونکہ حب دنیا ہے اس لئے مطرود ہیں۔

ف: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو صرف اپنے اعمال ظاہرہ پر نظر کر کے اس کی بنا پر اپنی حالت دوسرے سے اچھی نہ سمجھنا چاہئے اس لئے کہ زیادہ مدار قلب پر ہے اور قلب کا حال معلوم نہیں تو اس کو کیسے برا سمجھ لے۔ مثنوی شریف میں شبان موسیٰ کی حکایت اس کی شاہد ہے کہ بظاہر وہ کلمات بے ادبی کہہ رہا تھا لیکن چونکہ دل سے اور محبت سے کہتا تھا اس لئے موسیٰ سے بوجہ ان کے اس کو روک دینے کے پرسش ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ؎

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح
سندیاں را اصطلاح سند مدح

ہندیوں کے لئے ہند کی اصطلاح مدح ہے اور سندھیوں کے لئے سندھ کی اصطلاح مدح ہے۔

ف: اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ہم جو ادب کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے ہیں واقع میں ان کی شان کے لائق وہ نہیں کیونکہ ہمارے تسبیح سے ان کی ذات عالی کہیں اعلیٰ وارفع ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی عجیب مثال بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

شاہ را گوید کسی جو لاہ نیست
ایں نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

یعنی اگر بادشاہ کو کوئی کہے کہ وہ جولاہہ نہیں ہے تو یہ مدح نہیں ہے لیکن چونکہ اس شخص کو بادشاہ کے علو مرتبہ کی خبر نہیں تو اپنے نزدیک اس نے مدح کی ہے مگر واقع میں ذم ہے۔ بس یہی حالت ہماری تنزیہہ (بیان پاکی) کی ہے کہ وہ ان کے اظہار وعظمت کے لئے کافی نہیں حتی کہ سید الحامدین فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام پر فرماتے ہیں:

”لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ“ (یعنی تیری تعریف میں نہیں کر سکتا تو اسی تعریف کے لائق ہے جو تو نے اپنی ذات کے لئے کی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ممکن ہیں اور ممکن سے واجب کے کمالات کا احاطہ نہیں ہو سکتا) خوب کہا ہے۔ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

عنقا کسی سے شکار نہیں ہو سکتا جال کو سمیٹ لو یعنی جس طرح عنقا شکار کسی سے نہیں ہو سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ شانہ کے کمالات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اس لئے اس فکر میں مت پڑو۔ حتی کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے تو فرماتے ہیں کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد ایسے الفاظ سے کروں گا کہ اسوقت وہ الفاظ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ ؎

ای برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروئے میر سی بروئے پأیست

اے برادر! بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو بلکہ آگے کو ترقی کرو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

کُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِکَ فَھُوَ ھَالِکَ وَاللّٰہُ اَجَلُّ مِنْ ذٰلِکَ.

جو تصویریں تمہارے ذہن میں گذرتی ہیں سب فنا ہونے والی ہیں خدا تعالیٰ اس سے بہت برتر ہیں۔ مگر باوجود اس کے اسی حالت میں ہم کو ہم کلامی کی اجازت بخشی یہ کتنی بڑی رحمت ہے ورنہ جب اس کی ذات پاک ایسی عظیم ہے تو بتلایئے کیا صورت تھی اس سے ہمکلامی کی پس قیاس کے موافق تو یہ تھا کہ کسی شخص کو بھی اس کے یاد کرنے اور اس سے ہمکلام ہونے کی مطلقاً بھی اجازت نہ ہوتی۔ اگر ایسا معاملہ ہوتا تو ہماری کیا حالت ہوتی کہ نہ تو بدون یاد کے تسلی ہوتی اور اگر یاد کرتے تو مجرم بنتے۔

دوگونہ وعذاب ست جان مجنون را
بلائے فرقت لیلیٰ وصحبت لیلے

(یعنی مجنوں کی جان کو دوہرا رنج وعذاب ہے ایک لیلیٰ کی جدائی کی مصیبت دوسرے صحبت لیلیٰ کی مصیبت) اور بزبان حال یہ کہتے ہیں۔

من شمع جانگد از تو صبح دلکشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چورخ نمائی

یعنی اے محبوب! میں شمع جاں گداز ہوں تو صبح دلکش ہے۔ اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا۔

نزدیک آنچنا نم دورآں چناں کہ گفتم
نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

(اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی ایسی جیسا کہ اوپر شعر میں ذکر کیا نہ میں جدائی کی طاقت رکھتا ہوں نہ وصل کی تاب) بلکہ ممکنات کو تو پیدا کرنا ہی محض رحمت ہے اور عظمت بظاہر اس سے بھی مانع ہے اس لئے کہ عظمت تو اس کو مقتضیٰ ہے کہ۔

چو سلطان عزت علم برکشد
جہاں سربہ جیب عدم درکشد

(جب محبوب حقیقی کی تجلی وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہے)

اگر تمام مخلوق مثل آفتاب کے ہے خدا تعالیٰ کے سامنے ایک ذرہ کے برابر نہیں اور اگر مثل سات دریاؤں کے ہے تو اللہ تعالیٰ کے روبرو ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں۔ ممکن واجب کے سامنے کوئی چیز نہیں پس خود پیدا کرنا ہی اس کے غنا اور عظمت کے ہوتے ہوئے عجیب ہے۔

پھر پیدا کر کے اس رحمت کو ملاحظہ فرمائیے کہ اجازت دی تصور کی حالانکہ وہ ہمارے تصور سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور اس اعتبار سے یہ ہمارا تصور بھی اس کے عظمت وجلال کے سامنے ذنب (گناہ) ہونا چاہئے۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وزہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

اے اللہ! آپ ہمارے خیال وقیاس وگمان اور وہم سے برتر ہیں اور جو کچھ لوگوں نے کہا ہے اور ہم نے سنا اور پڑھا ہے اس سے بھی برتر ہیں۔

دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(یعنی دفتر ختم ہو گیا اور عمر اختتام کو پہونچ گئی ہم ایسے ہی آپ کی پہلی ہی خوبی کے بیان کرنے میں رہے)۔ ان سب امور پر نظر کر کے ملاحظہ فرمائیے کہ ہم کو کلام کرنے کی اجازت دیدی کیا ہمارا منہ تھا؟ ہرگز نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ف: پھر حکام دنیا کو دیکھئے کہ اگر کبھی اجازت بات کرنے کی ہوتی ہے تو بڑے بڑے القاب وآداب کیساتھ ہوتی ہے حاکم کا نام کوئی نہیں لیتا بلکہ سخت جرم ہے صاحبو! اگر حق تعالیٰ بھی اپنے نام پاک کے ساتھ القاب وآداب کی شرط لگاتے تو بتلائیے کہ ہم وہ القاب وآداب جو اس بارگاہ کے لائق ہیں کہاں سے لاتے اگر ازل سے ابد تک ان القاب وآداب کے لانے میں مشغول رہتے تو ہمارے ان القاب کی حق تعالیٰ کے اوصاف کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ ہوتی جیسے ایک قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔

"قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا"

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر (کا پانی) روشنائی کی جگہ ہوتو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے (اور باتیں احاطہ میں نہ آویں) اگر چہ اس سمندر کے مثل اس کی مدد کیلئے ہم لے آویں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

یعنی نہ محبوب حقیقی کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی۔ جیسے جلندر والا مرجاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی محبوب کے حسن کا بیان باقی رہ گیا۔

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

(نگاہ کا دامن تنگ ہے تیرے حسن کے پھول بہت ہیں تیرے بہار کے پھول چننے والا کوتاہی دامن کی شکایت کرتا ہے)

یعنی محبوب حقیقی کے کمالات واوصاف کی انتہا نہیں بہت ہی ہیں ہماری زبان ونظر ان کے بیان کرنے سے قاصر وعاجز ہے۔

اگر حق تعالیٰ اپنا نام لینے کے لئے پاک ہونے کی شرط فرماتے تو اگر لاکھوں سمندروں سے ہم غسل کرلیتے تو اس وقت بھی لائق اس کے نہ ہوتے کہ نام لیں۔

اگ رہزار بار بشویم دہن بہ مشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

(اگر ہزاروں مرتبہ منہ مشک وگلاب سے دھویا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کا نام اس سے لینا کمال بے ادبی ہے)۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ میں ایک مرتبہ شاہ توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ انبالوی کی خدمت میں حاضر ہوا تو شاہ صاحب نے مولوی

صاحب سے فرمایا کہ مولوی جی جب اللہ کا نام لیتا ہوں منہ میٹھا ہوجاتا ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ میں تاویل سے کہتا ہوں واقعی سچ مچ ایسا میٹھا ہوتا ہے جیسا شکر سے میٹھا ہوتا ہے۔

اللہ اللہ ایں چہ شیرن ست،نام
شیر و شکر میشود جانم تمام

(اللہ اللہ کیا شیریں نام ہے کہ اس کے کہنے سے تمام جان شیر وشکر ہوتی جاتی ہے) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت میں اللہ کا نام لیتا ہوں مگر کچھ نفع نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تھوڑا نفع ہے کہ نام لیتے ہو یہ تمہارا نام لینا یہی نفع ہے اور کیا چاہتے ہو۔ ے

گفت آں اللہ تو لبیک ماست
ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

(یعنی ہواللہ کہنا تمہارا ہمارا جواب ہے اور یہ نیاز وسوز اور درد تیرا ہمارا قاصد ہے)۔ بس دنیا میں تو یہ رحمت کہ نام لینے کی اجازت دی اور آخرت میں اس پر قبول ورضا مرحمت فرمائیں گے۔ حالانکہ جو ذکر کے ضروری آداب ہیں وہ بھی ہم سے نہیں ہوسکتے ہیں ذکر کررہے ہیں اور ہزاروں معاصی اور شہوات میں آلودہ ہیں پھر اس پر قبول عجیب در عجیب۔ ے

ایں قبول ذکر تو از رحمت است
چو ں نماز مستحاضہ رخصت است

(یعنی جیسے مستحاضہ عورت کی نماز رخصت ہے اسی طرح تمہارے ذکر کو قبول کرنا جو گناہوں اور ریا وغیرہ سے آلودہ ہے رحمت کی وجہ سے ہے)

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص خود کتنا ہی کارگزار ہو لیکن جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو اس کی سب کارگزاریاں نظر سے گرجاتی ہیں اس قاعدے کے موافق تو یہ ہونا

چاہئے تھا کہ گناہ نیکیوں کے مزیل (زائل کرنے والے) ہوجائیں حق تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ اس نے برعکس حسنات کو مزیل سیأت (گناہوں کو مٹانے والے) بنادیا فرماتے ہیں: اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (بیشک نیکیاں گناہوں کو فنا کردیتی ہیں) غرض باوجود اس کے کہ گناہوں میں سر سے پا تک غرق ہیں اور حالت یہ ہے۔

سبحہ برکف توبہ برلب دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید زا ستغفار ما

(تسبیح ہاتھ میں ہے لب پر توبہ اور دل گناہوں کے ذوق سے پر ہے ہمارے استغفار کرنے پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے)۔

جو لوگ طریق باطن میں مشغول ہیں ان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو ان پر اس درجہ ندامت سوار ہوتی ہے کہ بعض دفعہ تو یہ بھی ہمت نہیں پڑتی کہ پھر ذکر وطاعت میں مشغول ہوں اور حسنات سابقہ کے نور پر وہ معصیت ان کو غالب معلوم ہوتی ہے اسی مضمون کو کسی نے کہا کہ۔ ے

احب مناجات الحبیب باوجہٖ
ولکن لسان المذنبین کلیل

یعنی میں چاہتا ہوں کہ محبوب سے نوع بنوع انداز سے باتیں کروں لیکن نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ گنہگاروں کی زبان درماندہ وعاجز ہے۔

جو اس راہ کو قطع کررہے ہیں اور کچھ ذوق ان کو حاصل ہوگیا ہے ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو ان کے قلب کی تعلق مع اللہ کی وجہ سے کیفیت ہے اس میں کسی غفلت اور معصیت کی وجہ سے اگر ذرا بھی فرق آجائے تو ان کو بیحد غم ہوتا ہے اور ذکر وطاعت سے بھی ہمت پست ہوجاتی ہے اور آئندہ ذکر وطاعت کی جرأت نہیں ہوتی۔ نہ اس وجہ سے کہ اپنے مولیٰ شانہ سے ان کو غفلت ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ

ہم اب کس منہ سے نام لیں سو یہ حالت بظاہر اچھی نہیں اس لئے کہ مانع ذکر ہے لیکن یہ بھی بعض حالات میں رحمت ہے۔

اتنی بات قابل تنبیہ ہے کہ اس حالت کے مقتضاء یعنی ترک ذکر پر عمل ہرگز نہ کرے بلکہ ایسی حالت والے کو یہ ضروری ہے کہ ذکر سے ایک دم کو غافل نہ ہو اور ہمت نہ ہارے اگرچہ سینکڑوں گناہ ہوتے رہیں مگر ذکر نہ چھوڑے کیونکہ جو ظلمت مانع ہوئی تھی ذکر سے وہ زائل بھی اسی ذکر ہی سے ہوگی اور کوئی اسکا مزیل نہیں کہ اس سے زائل کرکے پھر ذکر میں لگے اگر ذکر میں لگے رہو گے تو انشاءاللہ تعالیٰ ایک روز اس بلا سے بھی خلاصی ہوجائے گی اسکے مناسب ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک ناپاک کا دریا پر گذر ہوا دریا نے کہا آجا تجھے پاک کردوں اس شخص نے کہا میں ناپاک ہوں تیرے پاس آتے ہوئے شرم آتی ہے۔ دریا نے کہا یاد رکھ جب بھی پاک ہوگا تو میرے پاس آنے ہی سے ہوگا ورنہ اگر دور دور پھرا تو ناپاک ہی رہے گا۔ تو اسی حالت میں آجا۔ مجھ سے ایک موج اٹھے گی اور تجھ کو پاک وصاف کردے گی۔ پس اسی طرح تم کو بھی حکم ہے کہ باوجود غرق معاصی ہونے کے اس کے ذکر وطاعت میں لگے رہو۔

☆☆☆

جگاؤ نہ ابھی منکر نکیرو
میں لوٹا ہوں تھکا ہارا سفر سے

عبدالحمید سازؔ دہلوی

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی ہو جائے تو اس سے بدگمان رہنا

شب رفت وحدیث ما بپایاں نہ رسید
شب راچہ گنہ حدیث ما بود دراز

(رات گذر گئی اور میری بات پوری نہ ہوئی اس میں رات کا کیا قصور! میری داستان ہی طویل ہے۔)☆☆☆

بہرحال مخلوق کو خالق سے مانگنا ہی ہے

ڈاکٹر پروفیسر وحید الظفر خان اپنی آپ بیتی میں لکھے ہیں کہ:
یہ واقعہ میری ٹریننگ کے دور کا ہے جب میں پارک لینڈ میموریل ہاسپٹل ٹیکساس میں زیر تربیت تھا۔ وہاں مجھ کو ایک ایسا مریض ملا جس کے دونوں پھیپھڑوں میں کینسر تھا۔ میں نے مریض کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ اس کا مرض نا قابل علاج ہے اور کسی بھی قسم کا علاج اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مریض نے بھی صحیح فیصلہ کرتے ہوئے علاج سے اجتناب کیا۔ ہسپتال میں جب میں اس کے بیڈ کے پاس ٹھہرتا تو میں اس کو ہمیشہ اس کے دوستوں میں گھرا ہوا پاتا جو یا تو اس کے لئے بھجن گا رہے ہوتے یا دعائیں کر رہے ہوتے۔ میں نے سوچا کہ یہ ایک اچھی بات ہے، کل یہی لوگ اس کے جنازے میں بھجن گائیں گے اور دعائیں کریں گے۔

ایک سال بعد جب میں کسی دوسری جگہ مصروف کار تھا میرے ایک ساتھی نے پارک لینڈ پاسپٹل سے ٹیلی فون پر پوچھا کہ کیا میں اپنے دیرینہ مریض سے ملنا پسند کروں گا؟ میرے تعجب کی انتہا نہ رہی، میں یہ یقین ہی نہیں کر سکا کہ وہ ابھی تک زندہ تھا۔ بہرحال میرا تجسس مجھے وہاں لے گیا۔ میں نے اس کے پھیپھڑوں کی

ایکسرے رپورٹ دیکھیں اور متحیر رہ گیا۔ اس مریض کے دونوں پھیپھڑے بالکل صحت مند تھے۔ وہاں کینسر کی کوئی علامت نہ تھی، اس کا علاج غیر معمولی تھا، ریڈیو لوجسٹ نے مجھ سے کہا۔

علاج! میں نے سوچا اس مرض کا تو کوئی علاج ہی نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا سے رجوع کرے۔ میں نے میڈیکل کالج کے دو پروفیسر صاحبان کو یہ پورا واقعہ بتایا۔ ان میں کوئی بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ ایسا معجزہ ممکن ہے۔

میرے بچپن کا عقیدہ کب کا رخصت ہو چکا تھا۔ اب تو میں صرف ماڈرن ادویات کی طاقت پر یقین رکھتا تھا۔ عبادت تو میں صرف ذاتی تصنع سمجھتا تھا اس لئے میں نے اس پورے واقعہ کو ذہن سے نکال پھینکا۔ کئی سال بیت گئے اور میں ایک شہری ہسپتال میں چیف آف اسٹاف کے عہدے پر مامور ہو گیا۔ میرے علم میں تھا کہ میرے کئی مریض دعا اور عبادت کو صحت کا ضامن سمجھتے تھے۔ لیکن مجھے اس طرح کے علاج پر اعتماد نہ تھا۔ ۱۹۸۰ء کے اواخر میں میرے مطالعہ میں وہ رپورٹس آئیں جو لیبارٹری میں بے حد احتیاط کے ساتھ تجربات کے بعد تیار کی گئیں تھیں۔ ان رپورٹس کا خلاصہ یہ تھا کہ عبادت اور دعائیں انسان کی مختلف النوع جسمانی حالتوں میں غیر معمولی اور اہم تبدیلیوں کا باعث بنتی ہیں۔

قلبی امراض کے ماہر ڈاکٹر رینڈ ولف بائرڈ نے ۱۹۸۸ء میں اس ضمن میں ایک تحقیقاتی مقالہ شائع کیا تھا۔ جو سائنٹفک اسٹڈی کے بعد نتائج کو پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حقائق کو سامنے لایا تھا اور کافی متاثر کن تھا۔

سانفرانسسکو جنرل ہسپتال کے کورونری کیئر یونٹ میں ۳۹۳ مریضوں کی اسٹڈی کی گئی۔ مریضوں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک گروپ ان مریضوں کا تھا جن کی صحت کے لئے دعا کرنے اور بھجن گانے والے لوگ تھے اور دوسرا گروپ ان

مریضوں کا تھا جن کیلئے کوئی دعا کرنے والا نہ تھا۔ کسی مریض کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کس گروپ میں ہے۔ دعا کرنے والوں کو صرف مریضوں کا نام اور بیماری کی مختصر تفصیل بتائی گئی تھی تا کہ وہ ہر روز ان کیلئے دعا کرتے رہیں۔ دس ماہ بعد جب تحقیق مکمل ہوئی تو معلوم ہوا کہ جن مریضوں کے لئے دعائیں کی گئیں تھیں ان کو نسبتاً کافی افاقہ ہوا۔

۱- ان مریضوں کو پانچ گنا کم اینٹی بائیوٹکس کی ضرورت تھی اس گروپ کے مقابلہ میں جس کے لئے دعا نہیں کی گئی تھی۔

۲- وہ اکیس گنا زیادہ بہتر تھے اس امکان سے کہ ان کو کنجسٹو ہارٹ فیلیور ہو سکتا ہے۔

۳- اس بات کا بھی مقابلتاً بہت کم امکان تھا کہ وہ ہارٹ اٹیک کا شکار ہو جائیں۔

ڈاکٹر ولیم نولین جو ایک کٹر مادہ پرست ہیں اور روحانی عقائد کے قطعاً قائل نہیں انہوں نے بھی اپنی کتاب میں اس طرح کے شفائے روحانی پر سوالات کرتے ہوئے مشکوک انداز میں تسلیم کیا ہے کہ ''اگر یہ تحقیق درست ہے تو ہم ڈاکٹروں کو اپنے نسخوں میں لکھنا چاہئے کہ دن میں تین وقت عبادت کرو اور دعا مانگو۔ اگر یہ نسخہ کامیاب ہے تو ڈاکٹر بھی کامیاب ہے''۔

قدرت کے بہت سے ایسے اسرار ہیں جو سائنسدانوں اور فزیشنیوں کے فہم ودانش سے ماوراء ہیں۔ دعا کی قوت بھی انہیں اثرات میں سے ایک معلوم ہوتی ہے۔ میں نے تب سے میڈیکل پریکٹس چھوڑ کر اپنے آپ کو اس تحقیق وتحریر کے لئے وقف کر دیا ہے کہ عبادات اور دعائیں ہماری صحت پر کس طرح سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کے تحقیق مطالعہ نے تجویز کیا کہ دعائیں ہائی بلڈ پریشر، سردرد، ذہنی تفکرات اور جسمانی زخموں کو مندمل کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان میں سے چند چیزیں یہ ہیں جو میرے علم میں آئیں اور میری تحقیق ومطالعہ کا حاصل ہیں۔

دعاؤں کے مختلف پہلو

دورانِ مطالعہ میں نے پایا کہ دعاؤں کے مفید نتائج اسی صورت میں برآمد نہیں ہوئے۔ جب لوگوں نے کسی خاص مقصد کے لئے دعائیں کیں بلکہ اس صورت میں بھی اچھے نتائج برآمد ہوئے جب بغیر کسی مقصد کے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ مطالعہ نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ ایک معمولی سا جملہ ''جیسی رب کی مرضی'' اپنے اندر ایک انسان کی سوچ سے کہیں زیادہ اثر وقوت رکھتا ہے۔ بہت سے تجربات نے اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالی کہ عبادت کا سادہ طریقہ، طہارت و پاکیزگی کا ہمہ گیر احساس اور دوسروں کے لئے بے لوث خدمت، دردمندی اور صلہ رحمی کا جذبہ بیماریوں کو مندمل کرنے میں کارگر ہوتا ہے۔

محبت اور خلوص دعاؤں کی قوت میں اضافہ کرتا ہے

محبت اور الفت کی طاقت اسطواری ہے۔ اس کا اظہار لوگ گیتوں، عوامی شعور اور روزمرہ کے انسانی تجربات میں پیوست ہے۔ محبت انسانی جسم پر زبردست اثر ڈالتی ہے۔ گالوں میں شرم کی سرخی اور دل کی دھڑکنوں میں تبدیلی محبت کی نظر کا معمولی سا کرشمہ ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ خلوص ومحبت کا طرزِ عمل امراض کے اندمال میں ایک بیش قیمت جز کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ امراضِ قلب میں مبتلا دس ہزار مریضوں کی ایک سروے رپورٹ امریکن جرنل آف میڈیسن میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ لگ بھگ پچاس فیصدی افاقہ دردِ دل میں ان شوہروں کو ہوا تھا جن کی بیویوں نے خلوص کے جذبہ سے ان کی خدمت کی تھی۔ درحقیقت وہ تمام صحت پانے والے مریض جو دعاؤں اور روحانی عقیدے پر ایمان

رکھتے ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ دراصل پرخلوص جذبہ محبت کی طاقت ہی اسی بات کو ممکن بناتی ہے کہ دور دراز کے مریضوں کو بھی افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ تعلق اور دوسرے کے لئے مخلصانہ ہمدردی کا جذبہ اس قدر غیر معمولی اور شدت سے بھرپور ہوتا ہے کہ دعا کرنے والے اور جس کے لئے دعا کی جاتی ہے دونوں روحانی طور پر ایک وحدت بن جاتے ہیں۔

دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں

جب میں ایک بچہ تھا تو اکثر ناقابلِ یقین نصیحتیں سنا کرتا تھا جیسے عبادت میں ہر وقت مصروف رہو۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ مستقل عبادت کرنا ناممکن تھا۔ میں نے کوشش بھی کی لیکن رات میں بہرحال سوجاتا تھا اور تسلسل ٹوٹ جاتا تھا۔ کیونکہ اس حقیقت کا انکشاف مجھ پر نہیں ہوا تھا۔ کہ لاشعوری طور پر بھی عبادت کرنا ممکن ہے۔ دورِ حاضر میں ہم لوگ عبادت کو ذہنی بیداری اور شعوری کیفیت سے مربوط کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کہ روحانی عبادت شعور کی گہرائیوں میں پیوست ہوجاتی ہے اور ہمارے خواب بھی اس سے مالا مال ہوتے ہیں ایک احمقانہ تصور معلوم ہوتا ہے اور اس امکان کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں کہ ہمارا لاشعور ہمارے شعور کی بہ نسبت عبادت کرنے کا کہیں زیادہ بہتر طریقہ جانتا ہے۔

ڈاکٹر ہربرٹ بینسن ہارورڈ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے پہلے میڈیکل محقق تھے۔ جنہوں نے صحت کے فوائد کو عبادت اور مراقبہ سے حاصل کرنے پر ریسرچ کی تھی۔ ان کی تحقیق کا ماحصل یہ تھا کہ مختلف مذاہب کی عبادات اور طریقہ مختلف ہوسکتا ہے۔ اس کے اثرات انسان کے جسم کی صحت مند تبدیلیوں پر یکساں کارگر ہوتے ہیں اس کا نام انہوں نے Relaxation Response یعنی ''دعاؤں اور ورزشوں میں بھی

ایک ربط تلاش کیا۔ دوڑ میں حصہ لینے والوں سے انہوں نے کہا کہ دوڑتے وقت وہ ذہن میں دعائیں پڑھیں۔ دوڑنے والوں نے محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے ان کی جسم کی کارکردگی اور توانائی میں اضافہ ہوا۔

دعا بغیر مدعا کے بھی کارگر ہے

بہت سے عبادت گزار اور دعائیں کرنے والے لوگ اس حقیقت پر پورا اعتماد رکھتے ہیں کہ روحانی طریقہ کسی بھی مقصد اور مدعا کو حاصل کرنے میں مفید ثابت ہوتا ہے۔لیکن تحقیق سے اس صداقت کا بھی ثبوت ملا ہے۔ کہ عبادت یا دعائیں کسی مقصد یا نصب العین کو سامنے نہ رکھ کر بھی کی جائیں تو بھی ان کے فوائد بے شمار ہیں۔ جیسے پروردگار اس طرح پکارنا، جیسے پیدا کرنے والے کی رضا‘‘۔ یا ’’جو رب کرتا ہے اچھا کرتا ہے‘‘ ایسی ندائیں بغیر کسی خاص مقصد یا مدعا کے روحانی اعتقاد کو محکم و مستحکم کرتی ہیں۔ اس طرح کا اعتقاد اور خالق کی ذات پر اعتماد عبادتوں اور دعاؤں میں حیرت انگیز تاثیر پیدا کرتا ہے۔ (ماہنامہ شمش الاسلام بھرہ دسمبر ۲۰۱۲ء پاکستان)

خرچ کتنا ہے آمدنی کتنی؟
بس اسی فکر میں مریں گے ہم
خدمت حلق سے نہیں فرصت
خدمتِ خلق کیا کریں گے ہم

☆☆☆

صرف ایک اللہ سے مانگو

اللہ اکیلا اور تنہا ہے، اس کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے اور اللہ ہر چیز کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے۔ ’’سن لو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا، بڑی برکت والا ہے اللہ، جو رب ہے سارے جہان کا‘‘ (سورہ اعراف:۵۴)

وہی سب کو روزی دیتا ہے، وہی سب کی تمام حاجتیں، مرادیں اور ضرورتیں پوری کرنے والا ہے، وہی اولاد دیتا ہے، وہی دکھ اور درد دیتا ہے، اور وہی ان کو دور کرتا ہے، اللہ کے سوا کوئی بھی کسی کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور نہ نفع، وہی ’’غوث ہے‘‘ یعنی اپنے بندوں کی پکار اور دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے، وہی ’’مشکل کشا‘‘ ہے یعنی وہی اپنے بندوں کی پریشانیوں کو دور کرتا ہے، اور وہی بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، وہی گناہوں کو معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ جو بندہ اس سے مانگتا اور دعا کرتا ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور جو بندہ اس سے نہیں مانگتا اور دعا نہیں کرتا وہ اس پر غصہ ہوتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے۔ تو سوچو اور غور کرو کہ کتنا پیارا اور کتنا مہربان ہے اللہ، اپنے بندوں پر پھر بھی اگر کوئی بندہ / بندی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ’’یا غوث‘‘ (اے مدد

کرنے والا) کہے، اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ''مشکل کشا'' (پریشانی دور کرنے والا) کہے، تو ایسا شخص اللہ کی صفات میں اللہ کے غیر کو یعنی دوسروں کو شریک کرنے والا ہے۔ ''اور شرک بڑا بھاری ظلم ہے''۔ (سورہ لقمان:۱۳)

''بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جتنے اور گناہ ہیں جس کے لئے چاہیں گے وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا''۔
(سورۃ النساء:۱۱۶)

''بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''۔
(سورۃ المائدہ:۷۲)

لہٰذا تمام بندوں کو چاہئے کہ اللہ اکیلے ہی کی عبادت اور بندگی کریں اور اسی سے دعائیں مانگیں، قبروں پر جا کر نذر و نیاز نہ کریں، نہ چادریں چڑھائیں، نہ وہاں ماتھا ٹیکیں، یہ سب بدعت اور شرک ہے۔ خود بھی ''شرک'' سے مکمل طور سے بچیں اور دوسروں کو بھی پیار و محبت اور ہمدردی سے شرک سے بچانے کی حتی الامکان فکر اور کوشش کریں۔ توفیق صرف اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

☆☆☆

امام ربانی متّبعِ رسول ﷺ تھے

حضرت مولانا گنگوہیؒ چونکہ بہت متبع سنت تھے (اتباع سنت در اصل ثمرۂ محبت رسول اللہ ﷺ ہے) ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دنوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں؟ لوگوں نے اس کا اندازہ کیا، جب حضرت مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں پر رکھا پھر سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھنٹی انگوٹھے میں ڈالی۔ اس کے بعد بائیں پاؤں میں کھڑاؤں پہنی، سبحان اللہ کیسا دونوں سنتوں کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ (از ارواح ثلاثہ)

حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ''بر تصویر روضۂ منورہ حضرت سرور عالم ﷺ ونقشہ مدینہ منورہ زادھا اللہ ونقشہ مکہ مکرمہ کہ در دلائل الخیرات واقع است بوسہ دادن وچشم مالیدن از روئے شرع جائز است یا نہ؟

الجواب: بوسہ دادان وچشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست واگر از غایت شوق سرزد، ملامت وعتاب ہم بر جا نباشد، کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ ۲ محرم ۱۳۲۲ھ امداد الفتاوی جلد ۴ ص: ۲۸۰۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات چیت بہت کم کرتے تھے، مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ربیع الاول میں ایک مرتبہ آئیں وہ تو محبّ اور عاشق ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جائے، کیسا غضب ہے، صاحبو! کہاں گیا انصاف اور تدین یعنی دینداری؟ (ماخوذ از وعظ النور، ص:۲۰۶)

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں اور وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ہمارے قریب میں ایک قصبہ ہے جلال آباد، وہاں پر ایک جبّہ شریف ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہے، اس کی زیارت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اس کے متعلق میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر منکرات سے خالی وقت زیارت میسر آنا ممکن ہو تو ہرگز دریغ نہ کریں، بتلایئے یہ باتیں وہابیت کی ہیں؟

(ملفوظ، ص:۱۸۴، حصہ چہارم الافاضات الیومیہ)، جامعہ ساہیوال کا دارالعلوم نمبر، ص:۵۲۵، ج:۲)

جہاد آزادی کا آغاز

انگریزوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد علماء کے طبقہ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، ان کے انسداد کی تدبیریں اختیار کرنی شروع کر دی تھیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی تھی، چنانچہ اس جماعت کے تیسرے امام حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے ۱۸۴۶ء میں

انتقال کے بعد حضرت حاجی امداد اللہؒ چوتھے امام مقرر ہوئے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ابتدا ہوئی، یہ حضرات بھی تیار تھے، حضرت حاجی صاحبؒ کے شریک کار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسمؒ، مولانا عبدالغنیؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ سے جہاد حریت کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال ہوا، مولانا شیخ محمد نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد حریت کی مخالفت کی، مولانا قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟ حضرت امیر امداد اللہؒ نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا کہ الحمدللہ انشراح ہو گیا اور جہاد کی تیاری شروع کر دی، امیر امداد اللہ صاحبؒ نے امامت قبول کی اور مولانا نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے، اس طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا۔ تذکرۃ الرشید میں، ص:۷۳، پر لکھتے ہیں:

جس کی ابتداء یہ تھی، کہ تھانہ کے رئیس قاضی عنایت علی خان، چھوٹا بھائی عبد الرحیم خان چند ہاتھی خرید نے سہارنپور گیا وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھہرا ہوا تھا، جس کو زمیندارانہ مخاصمات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی، دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع کے پاس پہنچ کر رپورٹ کی کہ فلاں رئیس بھی باغی ومفسد ہے، چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہے، زمانہ تھا اندیشہ ناک اور احتیاط کا، اسی وقت فوج دوڑ گئی، اور رئیس گرفتار ہو گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیرخواہ زمیندار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانے کی خبر ملی۔ اس صدمہ سے عنایت علی خان پر رنج وغم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور جوش حزن میں بھائی کے انتقام کا خیال پختہ ہو گیا، اتفاق سے چند فوجی سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی

بھنگیاں سہارنپور سے کیرانہ کی طرف جارہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی، وہ اپنے رفقاء اور رعایا کو ساتھ لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جاپڑے اور جس وقت سوار سامنے سے گزرے ان پر حملہ کر کے میگزین (یعنی کارتوسوں کی بیلٹ) چھین لی، ایک سوار اسی جنگ میں زخمی ہو کر سمت مشرق جنگل کو بھاگا، مگر تھوڑے ہی فاصلہ پر گھوڑے سے گر کر مر گیا، اس واقعہ کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف سے تھانہ پر فوج کشی کا حکم ہوگیا، جس پر عنایت علی خان اور ان کے ساتھیوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسمؒ، اور حافظ ضامنؒ ہمراہ تھے، بندوقچیوں سے مقابلہ ہوا، یہ نبرد آزما جتھا بھاگنے یا ہٹجانے والا نہیں تھا، اس لئے پہاڑ کی طرح جم کر ڈٹ گئے اور دوسرا گروہ ہاتھوں میں تلواریں لئے بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمار رہا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے، چنانچہ ان حضرات پر فائر ہوئے اور حضرت ضامنؒ زیر ناف گولی کھا کر شہید ہوئے، حضرت مولانا قاسمؒ ایک مرتبہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا اس نے یہ سمجھا کہ کنپٹی میں گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی، حضرت حاجی امداد اللہؒ نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کیا ہوا میاں؟ عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے۔

☆☆☆

مدارس کے متعلق حکمت کی باتیں

حقیر سمجھنے کا حق کسی کو نہیں!

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ نے ارشاد فرمایا:

ہر انسان کے جملہ عضو گو الگ الگ خدمت انجام دے رہے ہیں مگر کوئی انسان اپنے کسی عضو کو حقیر نہیں سمجھتا اور نہ انکی خدمات کے اندر تفاضل اور تقابل کرتا ہے اور نہ انہیں ایک دوسرے کا حریف اور فریق بناتا ہے۔ اسی طرح دین ایک جسم ہے، اسکے اجزا الگ الگ ہیں کوئی تعلیم کے لئے مدرسہ میں لگ گیا، کوئی تبلیغ کے لئے جماعت میں لگ گیا، کوئی تزکیہ کیلئے خانقاہ میں لگ گیا، پس دین کے ہر جز کے خادموں کو آپس میں ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کا حق کیسے ہوگا اور آپس میں تفاضل وتقابل اور فریق وحریف بنانا کیسے صحیح ہوگا؟ اسلئے مخلصین اولیائے کرام نے دین کے ہر خادم کا اکرام کیا ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ کا حکم دیا گیا ہے، پس جس قدر ممکن ہو ہر ایک دوسرے کی نصرت کرے، ہماری تقریر ہو، ہمارا مدرسہ چلے، ہماری جماعت آگے بڑھے۔ دین کو آگے رکھئے، اپنے کو آگے نہ کیجئے، اگر کسی اور کی تقریر سے نفع زیادہ ہو یا کسی اور کے مدرسے سے بھی دین کا کام ہو تو حسد اور جلن کیوں؟ (مجالد ابرار، ۲، ۱۴۸)

حق تعالیٰ پر نظر رکھیں

فرمایا: تقابل، تفاضل سے ہوتا ہے، پس اپنے کام اور خدمات کا تعارف تو ہو تفاضل نہ ہو۔ اور اپنا کام اگر ۲۰ درجے پر ہے تو ۱۸ ہی درجہ بیان کرے تاکہ دیکھنے والے زیادہ پائیں کم نہ پائیں۔ اور اہل مال کو آگے نہ کریں، اہل دین کو آگے کریں، کام میں تعجیل نہ کریں، حق تعالیٰ پر نظر رکھیں، قرآن پاک کی تعلیم پر خاص نظر رکھیں، اس سے مالی معاملات میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ (ایضاً ۲/۱۳۷)

نظامِ سنت مقصود ہے

فرمایا: صرف نظام سنت مقصود ہوتا ہے، غیر نظام سنت کو درجہ مقصودیت دینا بدعت ہے، غیر نظام سنت کو صرف معین نظام سنت کا بنایا جاسکتا ہے نہ کہ اس کو مقصودیت کا درجہ دے دے۔ پس اگر کوئی شخص دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہے اور نظام سنت کے لئے اس کو معین اور نافع پاتا ہے تو اس کو فریق نہ بنائے بلکہ رفیق سمجھے، پس تعلیم، تبلیغ، تزکیہ سب مقصود اور ضروری ہیں، مگر کسی نظام کو اتنی اہمیت نہ دے کہ جو معین تھا وہ مقصود بن جائے۔ (ایضاً ۲/۱۳۸)

ارشاد فرمایا: نظام سنت کے علاوہ کسی نظام کو مفید اور معین تو کہا جاسکتا ہے مگر اسکو مقصودیت کا درجہ دینا حد سے تجاوز ہوگا دین کی خدمت کو صرف نوعی نہ بنایا جائے، دین کے جس نوع میں جو لگے دوسرے نوع کی توہین نہ کرے، جنس پر نظر رکھے مثلاً اہل مدارس کے سامنے صرف اپنی ہی مدرسہ نہ ہو کہ بس ہمارے ہی مدرسے سے دین پھیلے، یہی مدرسہ ترقی کرے، بلکہ تمام دینی مدارس کی ترقی کیلئے دل سے دعا گو اور مخلصانہ طور پر بہی خواہ رہے۔ اگر شخصی طور پر دین کی خدمت کر رہا ہے تو یہی مقصد نہ ہو کہ صرف ہم سے ہی دین پھیلے اور دوسروں سے اگر پھیلے تو کیا اشکال اور کیا فکر ہے؟ یہ تو نفس کا کید

اور مکر ہے اور حب جاہ کی بیماری ہے کہ صرف ہم سے دین پھیلے۔ اخلاص کا معیار یہ ہے کہ جس سے بھی دین پھیلے خوش ہو اور اس کیساتھ تعاون کرے: **وتعاونوا علی البر** کا جب حکم ہے تو جہاں بھی بر (نیکی) ہو وہاں تعاون کرے اور اپنی رفاقت پیش کرے اور ہر خادم دین کو اپنا رفیق سمجھے، فریق نہ سمجھے، اپنے کو مقدم نہ کرے دین کو مقدم کرے، جس سے بھی دین کا کام احسن طریق پر ہو اسکی اعانت کرے۔ (ایضاً ۲/۱۵۹)

مدارس کے لئے دعا کا طریقہ

فرمایا: مدارس کے احباب صرف اپنے مدرسہ کیلئے دعا نہ کریں بلکہ یوں دعا کریں کہ اے اللہ! جملہ مدارس دینیہ کی نصرت فرما اور جملہ خدام دین کو صحت وقوت اور اخلاص عطا فرما۔ اس دعا کی برکت سے جملہ خدام دین اور خدام مدارس میں رابطہ اور محبت کا تعلق قائم ہوگا، حسد اور مقابلہ بازی سے حفاظت ہوگی۔ ہر خادم دین اور خادم مدرسہ کو چاہئے کہ وہ دوسرے خدام دین کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ سمجھے۔ جیسے ریل کا محکمہ کہ ٹکٹ دینے والا اور گارڈ، ٹی ٹی اور سگنل دکھانے والا سب ایک دوسرے کو ریلوے کا ملازم سمجھ کر آپس میں اپنے کو ایک دوسرے کا رفیق اور مددگار سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کا لحاظ اور مراعات رکھتے ہیں۔ حسد کی بیماری آپس میں تقابل وتفاضل سے پیدا ہوتی ہے۔ پس خدام دین احباب مدارس کو اپنے اپنے کاموں کا تعارف تو کروانا چاہئے لیکن تفاضل اور تقابل نہ کرانا چاہئے کہ اس سے دوسرے خدام دین کی تحقیر ہوتی ہے جو منافرت کا سبب بنتی ہے اور پھر آپس میں حسد کی بیماری لگ جاتی ہے۔ (ایضاً ۲/۷)

دین کے دوسرے شعبوں کی نفی نہ کریں

فرمایا: کسی چیز کا نافع ہونا اس کے کافی ہونے کی دلیل نہیں، پس کسی جماعت کا اپنے طریقۂ خدمت دین کے متعلق یہ کہنا کہ بس یہی طریقہ نافع ہے حد سے تجاوز اور

جہل ونادانی ہے۔ اکابر اور مقبولین اور بزرگان دین سے کہیں بھی اس قسم کی باتیں ثابت نہیں۔ یہ باتیں کم علم اور غیر صحبت یافتہ نادان لوگ کرتے ہیں۔ جس طرح تزکیۂ نفس کے لئے اہل خانقاہ کی خدمات نافع تو ہیں لیکن کافی نہیں کہہ سکتے۔ قرآن پاک کی تعلیم قواعد کی رعایت سے ہو، اس کے لئے قرآن پاک کے مدارس کی بھی ضرورت ہے۔ پس کوئی شعبہ یتلوا علیہم کا مظہر ہے کوئی شعبہ، یزکیہم کا مظہر ہے علم دین کی درسگاہیں بھی ضروری ہیں کیونکہ بلغ ما انزل الیک کا حکم قرآن نے بیان فرمایا ہے اور جب ما انزل کا علم ہی نہ ہوگا تو کس چیز کی تبلیغ ہوگی، مثلاً وضو کی سنتیں ہیں، پہلے خود سیکھے گا تب تو دوسروں کو سکھائے گا۔ (ایضاً ۲/۷)

تبلیغی جماعت کی بنیاد

فرمایا: تبلیغی جماعت کی بنیاد جب ایک عالم ربانی کے ہاتھ سے ہوئی تو مدرسہ کا احسان اور اس کے وجود کو ضرور تسلیم کرنا ہوگا، اسی طرح انہوں نے ایک بزرگ سے تزکیہ کرایا تو خانقاہ کا احسان اور وجود بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر کسی غیر عالم سے اس جماعت کی بنیاد پڑی ہوتی تو اب تک کتنی گمراہی پھیلی ہوتی۔ پس دین کے تین شعبے ہیں، تعلیم، تزکیہ اور تبلیغ۔ ہر ایک شعبے والوں کو ایک دوسرے کا معاون اور رفیق سمجھنا چاہئے۔ جیسے ڈاک خانہ کے محکمے میں کوئی مہر لگا رہا ہے، کوئی رجسٹری اور خطوط تقسیم کر رہا ہے، کوئی پارسل کر رہا ہے، وغیرہ۔ (ایضاً ۲/۱۱)

تعلیم اور تبلیغ کے ساتھ تزکیۂ نفس

فرمایا: تفاضل ایک نوع میں ہوتا ہے نہ کہ دو نوع میں، کوئی اگر سوال کرے کہ آنکھ بہتر ہے یا کان بہتر ہے یا زبان بہتر ہے تو کیا جواب دیا جائے گا؟ ہر ایک ان

میں ضروری ہے۔ ان میں تفاضل کا سوال ہی غلط ہے۔ کیونکہ یہ الگ الگ نوع ہیں، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں آنکھوں میں جو زیادہ دیکھتی ہے وہ افضل ہے اور دونوں کانوں میں سے جو زیادہ سنتا ہے وہ افضل ہے۔ اس مثال سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ میں کس کی ضرورت زیادہ ہے؟ یہ سوال مناسب نہیں کیونکہ یہ انواع مختلفہ ہیں، انواع مختلفہ میں تفاضل نہیں ہوتا، لہٰذا ہر ایک کی ضرورت ہے۔ تعلیم بھی ضروری اور تزکیہ بھی ضروری، البتہ تزکیۂ نفس کی اہمیت تعلیم اور تبلیغ سے زیادہ ہے یعنی تعلیم اور تبلیغ کی ضرورت کے ساتھ تزکیۂ نفس کا اہتمام بہت زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ تعلیم اور تبلیغ بغیر تزکیہ کے مقبول نہیں، جس کا مرکز سچے اللہ والوں کی خانقاہیں ہیں، تزکیۂ نفس ہی سے اخلاص دل میں پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کے بغیر تمام اعمال اور عبادات رائیگاں ہو جاتی ہیں جیسا کہ حدیث ریا (عالم، سخی، شہید کا جہنم میں ڈالا جانا) میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (ایضاً ۲/۱۵۹)

ہر کام سے رضائے الٰہی مقصود ہو

فرمایا: ہر کام سے مقصود رضائے الٰہی ہے، پس اس غرض سے جو کام ہوگا وہ مخلصانہ ہوگا، باقی سب اغراض مخلصانہ نہیں، آج بڑے دکھ کی بات ہے، کہ دینی خدمت میں بھی اخلاص کی کمی آنے لگی ہے، ہم لوگوں کو ہمیشہ اسکا احتساب کرتے رہنا چاہئے، امام عبد الوہاب شعرانیؒ بڑے بزرگ گذرے ہیں انہوں نے بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ دین کا کام کرنے والے اپنے اخلاص کو اس طرح پرکھیں کہ ان کے علاقہ میں اگر کوئی اور شخص وہی دینی کام یا کوئی اور دینی کام شروع کرتا ہے تو ان کو خوشی ہوتی ہے یا کلفت؟ اگر خوشی ہوتی ہے تو یہ اخلاص اور اگر گرانی ہوتی ہے تو یہ اخلاص کے منافی ہے۔ انہوں نے ایک واضح مثال سے بات کو

سمجھانے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر سخت گرمی کا موسم ہو اور دوپہر کے وقت میت کو قبرستان لے جانے کی ضرورت پیش آجائے، آدمی کم ہوں تو میت کے اقرباء کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹانے والے بڑھ جائیں، پھر نماز پڑھنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ جنازہ لے جانے میں مدد کر رہے ہیں تو یہ دیکھ کر خوشی ہوگی یا افسوس؟ کچھ دور جانے کے بعد لوگ ساتھ چھوڑنے لگیں تو افسوس ہوگا یا خوشی؟ یہی حال خدام دین کا ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ دین کا کام کر رہے ہیں خواہ وہ کسی لائن سے ہو، تبلیغ کا ہو، تعلیم کا ہو یا تزکیہ کا ہو، اخلاص کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے دیکھ کر خوش ہونا چاہئے۔

اب یہ ہوتا ہے کہ غم کرنے لگتے ہیں کہ صاحب اب یہ بیچ میں آگئے، اتنے دن سے ہم محنت کر رہے تھے اب انکا بھی نام ہوگا، کچھ لوگ ان کی بھی سنیں گے، انہیں بھی چندہ ملے گا تو ہمارا چندہ گھٹ جائے گا لاحول ولاقوۃ الا باللہ یہ کیسے خیالات ہیں؟ معلوم ہوا کہ کام میں اخلاص نہیں تھا۔ اخلاص ہوتا تو ان فضول اور غم میں مبتلا نہ ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اخلاص فی الاعمال بہت ضروری ہے۔ خوب سمجھ لو! یہ نہ ہو تو پھر پوری زندگی برباد ہے، حدیث ریا تو معلوم ہی ہگی کس طرح اخلاص کے فقدان نے عالم کو، قاری کو، غازی کو اور سخی کو جہنم رسید کر دیا، کام تو خوب کئے اور بہت اچھے کئے، مگر کیا کمی تھی، بس وہی اخلاص کی کمی۔ چنانچہ ساری زندگی برباد ہوگئی۔ (تحفۃ الحرم:ص:۱۵)

سچّے اہل اللہ کی محبت

فرمایا: مدارس سے اور تبلیغ سے اعمال کا وجود ملتا ہے اور خانقاہوں سے یعنی سچے اہل اللہ کی صحبت سے اعمال کا قبول ملتا ہے۔ کیوں کہ بزرگوں کی صحبت سے تزکیۂ نفس اور اخلاص ملتا ہے اور اخلاص شرط قبول اعمال ہے اور ریا سے محافظ ہے اور ریا کی نحوست

اور لعنت سے ایک شہید کی شہادت اور مال دار کی سخاوت اور قاری صاحب کی قرأت قبول نہ ہوئی اور ان کے لئے جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا، اس حدیث ریا کو جب حضرت ابو ہریرہؓ سناتے تھے تو غلبۂ خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ (آئینہ ارشادات، ص:۸)

فریق نہ بنے بلکہ رفیق بنے

فرمایا: دین کے جس شعبہ میں جو لگا ہو، ہر ایک دوسرے کا اکرام کرے۔ تفاضل سے احتیاط کرے، ورنہ تفاضل سے آدمی فریق بن جاتا ہے، رفیق نہیں رہتا۔ ہر نیک کام میں تعاون کا حکم ہے اور ہر نوع کی خدمت دین نیکی ہے۔ پس ہر خادم دین کو دوسری نوع کے دینی خادم کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ ایک نوع کے دینی خدام آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح ملتے ہیں اور دوسری نوع کے خدام کے ساتھ سوتیلے بھائیوں کا سا معاملہ کرتے ہیں، یہ افسوس کی بات ہے اور تعصب کی بات ہے، جو اخلاص کے منافی ہے۔ (آئینہ ارشادات، ص:۱۰)

ارشاد فرمایا: پہلے اپنا دل ذکر کے نور سے منور کرے، پھر دین کی خدمت میں لگے:

دل میں لگا کے انکی لو کر دے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں

دل شکنی کے بجائے دین شکنی پر توجہ دیں

ارشاد فرمایا: جب دین شکنی اور دل شکنی کا تقابل ہو تو دین کو مقدم رکھا جائے اور سب مصالح کو قانون شریعت کے احترام وعظمت پر مثل مصالحہ پیس دینا چاہئے۔ ایسے مواقع پر جذبات پر شریعت کو ترجیح دینی چاہئے، مخلوق کی چہ میگوئیاں اور طعن کی ہرگز پروانہ کرنی چاہئے۔ (ایضاً، ۲/۸۹)

صرف نسبت کافی نہیں

فرمایا: ایک بزرگ کے نواسے تھے، مسجد میں بستی والوں سے تعارف کرایا کہ فلاں بزرگ کے نواسے ہیں تو ایک دیہاتی بوڑھے نے کہا کہ اجی بزرگ کے نواسہ ہوا کریں، نماز تو خلافِ سنت پڑھی، کہنی زمین پر سجدہ میں بچھادی، تو بات یہی ہے کہ عوام ہماری نسبت ہمارے بزرگوں کے ساتھ جب تسلیم کرتے ہیں کہ اعمال بھی ٹھیک ہوں ورنہ کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ (ایضاً،۲/۱۱۴)

دینی خدّام کی حالت

فرمایا: دینی خدام اور بالخصوص مؤذن اور امام کو ٹخنہ چھپانے کی اور داڑھی کٹانے کی بیماری سے خاص طور سے محفوظ ہونا چاہیئے۔ جوان منکرات میں مبتلا ہوں ان کو ہرگز یہ منصب نہ دیا جائے۔ (آئینہ ارشادات،ص:۱۴)

عمل بغیر اخلاص کے نامقبول

ارشاد فرمایا: شریعت پر عمل بدون اخلاص مقبول نہیں اور اخلاص اگر شریعت کے مطابق نہیں تو وہ بھی مقبول نہیں۔ اس کی مثال بعد نماز عصر نوافل کا پڑھنا ہے، کوئی گھر میں دروازہ بند کر کے عصر کے بعد نوافل پڑھے تو اخلاص تو ہے لیکن خلاف شرع ہونے کے سبب قبول نہیں۔ یہ نماز شریعت کے مطابق پڑھ رہا ہے مگر اخلاص نہیں، کسی کو دیکھ کر رکوع وسجدہ میں سات سات تسبیحات پڑھ رہا ہے کہ معتقد ہوجائے گا۔ اگرچہ نماز شریعت کے مطابق ہے مگر اخلاص نہیں رہا ہے اس لئے قبول نہیں، بلکہ الٹا سزا کا مستحق ہوگا۔ (آئینہ ارشادات،ص:۱۹)

☆☆☆

ایک بدترین گناہ!

جن گناہوں کا صدور زبان سے ہوتا ہے انہی میں سے ایک ”غیبت“ ہے۔ غیبت کا رواج اس قدر عام ہوچکا ہے اسی رواج کی بناء پر معاشرے میں ”غیبت“ کا معصیت کبیرہ ہونا اتنا مقصود نہیں ہے جتنا کہ دیگر کبائر کا۔ حالانکہ قرآن کریم نے غیبت کے حوالے سے اتنے سنگین الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ شاید کسی دیگر معصیت کے بارے میں اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ ملاحظہ ہو۔

ارشاد ربانی ہے: ”کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تم (ضرور) برا سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (غیبت چھوڑ دو۔ توبہ کرلو) بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے“۔ (سورۃ الحجرات)

آیت بالا میں کسی مسلمان کی آبروریزی اور توہین وتحقیر کو اس کا گوشت کھانے کے مثل ومشابہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ اس سے باہمی نااتفاقیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دلوں میں فتنہ وفساد کا بیج پڑتا ہے، اس وقت ہماری سوسائٹی میں بگاڑ کا ایک عظیم سبب غیبت ہے۔ قرآن کریم نے اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح

کسی مردہ مسلمان کا گوشت کھانا حرام کام ہے اسی طرح اس کی غیبت بھی حرام اور خست ونائت ہے۔غیبت کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق اس کے کسی ایسے قول وفعل یا حال کا ذکر کرنا جس کی سماعت سے اسے ناگواری اور اذیت ہو۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو زیادہ علم ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا اپنے کسی مسلمان بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے)۔(رواہ مسلم)

کسی نے عرض کیا کہ حضرت اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعتاً اس میں موجود ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ غیبت جب ہی ہوگی جب وہ برائی اس میں موجود ہو اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا ہے) تو پھر یہ بہتان ہے (اور غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے) غیبت کے سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ نے بڑی شدید وعیدیں بیان فرمائیں۔ایک روایت میں ارشاد فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملا اعلی کے اس سفر میں) میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے تھے۔جن سے وہ اپنے چہروں اور سینو کو نوچ کر زخمی کر رہے تھے۔میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں) جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو (زندگی میں) لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے۔یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے۔اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔(ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

بیہقی کی ایک روایت میں ''غیبت'' کو ''زنا'' سے بھی زیادہ سخت فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وحضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔غیبت زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہے۔بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیوں کر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی ومغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی اور یہ اس لئے ہے چونکہ ''غیبت'' کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کرے اور اس وقت تک وہ حق معاف نہیں ہوسکتا۔(البیہقی فی شعب الایمان)

ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ نے غیبت کو بدترین سود قرار دیا جب کہ سود اتنا سنگین جرم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''سود کے ستر درجات ہیں، جن میں سب سے ہلکا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے (نعوذ باللہ) منہ کالا کرے'' غور کیجئے۔غیبت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے کتنی سخت وعید ارشاد فرمائی۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے غیبت کرنے والوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے۔مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اس گھر میں ذلیل کر دے گا۔(ابوداؤد)

کسی مسلمان کی غیبت اور عیوب کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی ہی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہوسکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرا ہے جس مجلس میں غیبت ہورہی ہو تو سننے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے غائب بھائی کی طرف سے بشرط قدرت مدافعت کرے اور اگر مدافعت ہو تو کم از کم اس کے سننے سے پرہیز کرے اور اس گفتگو میں شریک نہ ہو کیونکہ غیبت کا بقصد و اختیار سننا غیبت کرنے کے مثل ہے۔

حضرت ربعی رضی اللہ عنہ ایک شمہور تابعی ہیں اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی مجلس میں چند اشخاص بیٹھے غیبت کی باتیں کررہے تھے اسی مجلس میں میں بھی شریک تھا۔ سخت ناگواری کے باوجود مجلس سے اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ رات کو خواب دیکھا کہ سیاہ فام شخص ایک بڑے طشت میں گوشت لئے کھڑا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے ''اسے کھاؤ'' میں نے غور سے دیکھا تو وہ خنزیر کا گوشت تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! مسلمان ہوں، اسے کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا تمہیں کھانا پڑے گا۔ پھر وہ زبردستی گوشت کے ٹکڑے میرے منہ میں ٹھونسنے لگا۔ باوجود مدافعت کے وہ ٹھونستا رہا حتی کہ مجھے قئے ہوگئی۔ بالآخر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی' بوقت طعام جب میں نے کھانا کھایا تو خنزیر کے گوشت کا بدبودار ذائقہ محسوس ہوا اور تیس دن تک یہ حال رہا۔ جب بھی کھانا کھاتا یہ بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہوجاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

حضرت میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک روز یہ خواب دیکھا کہ ایک زنگی غلام کی لاش پڑی ہے۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے 'اے میمون! اسے کھاؤ میں نے کہا اے اللہ کے بندے میں اسے کیوں کھاؤں' کہنے لگا ہاں تو نے اس کی غیبت تو نہیں کی

لیکن سنی تو ہے اور تو اسی پر راضی رہا۔ حضرت میمون رضی اللہ عنہ پر اس خواب کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد سے پوری زندگی نہ کسی کی غیبت کی اور نہ اپنی مجلس میں کسی کو غیبت کرنے دی۔ (معارف القرآن، ج:۸، ص:۱۲۲)

بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ معاصی کی صورت مثالی بھی ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ عبرت حاصل کی جائے۔ لیکن درحقیقت ہم لوگوں کا ذوق اتنا فاسد اور حس اس قدر مٹ چکی ہے کہ معاصی کی شناعت وقباحت بھی قلوب میں باقی نہیں رہی۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن اشخاص کو ذوق سلیم اور حس سلیم عطا فرمائی ہے وہ مشاہدہ کرکے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

قسم کا کفارہ

اللہ کا شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا' ناحق خون کرنا اور جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا' کبیرہ گناہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا' ناحق خون کرنا، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کون کون سے بڑے گناہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کا شریک ٹھہرانا پھر فرمایا' جھوٹی قسم کھانا' میں نے عرض کیا' اس کا مطلب کیا؟ فرمایا! کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر دبا لینا۔ حضرت عبداللہ بن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر تم کسی بات پر قسم کھالو' پھر اس سے بہتر بات دیکھو تو اسے اختیار کرلو اور قسم کا کفارہ دے دو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو کسی بات پر قسم کھائے' پھر اس سے بہتر بات دیکھے تو اسے اختیار کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے''۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم' اگر اللہ چاہے تو میں کسی بات پر قسم نہ کھاؤں اور اگر کھالوں' پھر اس سے بہتر کوئی بات دیکھوں تو ضرور اسے اختیار کرلوں اور قسم کا کفارہ دے دوں''۔ (بخاری ومسلم) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو اپنے اہل وعیال کے بارے میں قسم کھا بیٹھے' پھر اس پر قائم رہے تو یہ اللہ کے نزدیک بڑے گناہ کی بات ہے' بہتر ہے کہ اپنی قسم توڑ کر اللہ کا فرض کیا ہوا کفارہ ادا کردے۔

☆☆☆

رحمۃ اللعالمینؐ کے نقشِ قدم پر صحابہؓ

حضرت عروہ بن زبیر ؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ طواف کررہے تھے۔ میں نے طواف کے دوران حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو ان کی بیٹی سے شادی کا پیغام دیا تو وہ خاموش رہے اور میرے پیغام کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا اگر یہ راضی ہوتے تو کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیتے۔ اب اللہ کی قسم! میں ان سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ اللہ کی شان وہ مدینہ واپس پہنچ گئے۔ میں بعد میں مدینہ آیا۔ چنانچہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور جا کر حضور ﷺ کو سلام کیا اور آپ ﷺ کی شان کے مطابق آپ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ پھر حضرت ابن عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا:

کب آئے ہو؟ میں نے کہا ابھی پہنچا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہم لوگ طواف کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہونے کا خیال کررہے تھے، تم نے اس وقت مجھ سے (میری بیٹی) سودہ بنت عبداللہ کا ذکر کیا تھا۔ حالاں کہ مجھ سے اس بارے میں کسی اور جگہ بھی مل سکتے تھے؟ میں نے کہا: ایسا ہونا مقدر تھا، اس لئے ایسا ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا: اب تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے کہا اب تو

پہلے سے بھی زیادہ تقاضہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دونوں بیٹیوں حضرت سالم اور حضرت عبداللہ کو بلا کر اپنی بیٹی سے میرا نکاح پڑھا دیا۔

(حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سو قصے صفحات: ۳۱ تا ۳۲، بحوالہ، حلیۃ الاولیاء، ۳۰۹/۱، طبقات ابن سعد، ۱۶۷/۴)

''مناسب رشتہ آجانے کے بعد شادی میں دیر نہیں لگانی چاہئے۔ احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔ شریعت نے شادی کا مسئلہ بہت آسان بنادیا تھا اور خیرالقرون میں عموماً اسی معیار کے مطابق شادیاں ہوا کرتی تھیں جس میں نہ جہیز کی ضرورت، نہ باراتیوں کا ہجوم نہ جوڑے اور گھوڑے کی احتیاج بلکہ اکثر موقعوں پر تو شادی ہوجانے کے بعد لوگوں کو خبر ملتی تھی کہ فلاں صاحب کی شادی ہوگئی۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرنے اور آپ سے نکاح پڑھوا کر برکت حاصل کرنے کے اہتمام کا پتہ بھی نہیں چلتا، حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جس درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں تھی محتاج بیان نہیں بلکہ اسے بدقسمتی اور حرماں نصیبی کے علاوہ اور کیا عنوان دیا جائے کہ اسی شریعت کے ماننے والوں نے اغیار کی نقل میں اپنے آپ کو ایسی رسموں اور ایسے رواجوں کی زنجیر میں جکڑ لیا اور پابند کرلیا کہ شادی ایک مسئلہ بن گئی کہ اس کا نام آتے ہی سرپرستوں بالخصوص لڑکی کے سرپرستوں کو فکر و پریشانی اور ذمہ داریوں کا پہاڑ سر پر رکھا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔ حالاں کہ لڑکیوں یا ان کے سرپرستوں پر کوئی بھی خرچ شریعت نے شادی کے وقت لازم نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے جو ہر اعتبار سے مکمل اور نمونۂ عمل ٹھہرائی گئی ہے اس بارے میں بھی رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

سب صاحبانِ علم اور باخبر حضرات جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی لڑکیوں کے متعدد نکاح کئے سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح بھی کیا اور جس انداز سے کیا اس کی پوری تفصیل آج بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔

کاش اسلام کا نام لینے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرنے والے اس دعوے کی لاج رکھتے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر آخرت ہی نہیں دنیا بھی خوشگوار بنالیتے''۔ (البیان، ۱۰ ار نومبر ۲۰۰۶ء)

کیا آپ اللہ کی محبت کے طلب گار ہیں؟

ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو وہاں چمکتے دانتوں والے ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب کسی بات میں ان کا اختلاف ہوتا تو وہ اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے، میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں (بھیڑ کی بنا پر میں ان سے نہ مل سکا) اگلے دن میں صبح صبح مسجد میں پہنچ گیا، لیکن سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مجھ سے بھی پہلے مسجد میں موجود تھے اور نماز میں مشغول تھے۔ میں نے آپ کا انتظار کیا، جب آپ نے نماز مکمل کی تو میں آپ کے پاس آیا اور سلام کہا، پھر عرض کی، اللہ کی قسم! میں آپ سے اللہ کے لئے محبت رکھتا ہوں، آپ نے تین دفعہ پوچھا، کیا واقعی؟ میں نے جواب دیا، جی ہاں، واقعی، تو آپ میری چادر سے پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا، خوش ہوجا، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَجَبَتْ مُحَبَّتِی لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ، وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ، وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ''.
''میری رضا کیلئے آپس میں محبت کرنے والوں، مجھے خوش کرنے کی خاطر مل بیٹھنے والوں، میری خوشنودی کیلئے باہم ملاقات کرنے والوں اور میری رضا حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے پر مال خرچ کرنے والوں کیلئے میری محبت واجب ہوگئی ہے''۔

(موطا امام مالک، ۹۵۴/۲، مسند احمد بن حنبل، ۲۳۳/۵، وسندہ صحیح) ☆☆☆

باتیں کلام اللہ کی ......ذکر حبیب اللہ کا

طالب ہدایت: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ''

مشعل ہدایت: ''وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ''

''اور سلام ہے پیغمبروں پر''۔(پ:۲۳:ع۹)

طالب ہدایت: آپ کی تعریف؟

مشعل ہدایت: ''اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ'' یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف''۔(پ:۲۳:ع۴)

طالب ہدایت: کہیئے! کہاں سے آنا ہوا؟

مشعل ہدایت: ''تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے۔(پ:۲۷:ع۱۶)

طالب ہدایت: اوہ! تو آپ صحیفہ آسمان ہیں جب ہی تو آپ کے ورق ورق سے' سطر سطر سے' نقطہ نقطہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ تو کہیئے آپ زمین پر کس کی طرف تشریف لائے؟

نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ''محمد ﷺ پر اتارا گیا''۔(پ:۲۶:۵)

طالب ہدایت: ارے! انہیں کون نہیں جانتا ان سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ وابستہ ہے۔ فرش زمیں سے عرش بریں تک ان کے جلووؤں کی ایک زریں کہکشاں پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت محمد ﷺ آپ کی نظر میں؟

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔(۲۶:)

طالب ہدایت: کیا ان کے بعد بھی کوئی نبی آنے والے ہیں؟

''وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ''

اور لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں آخری ہیں۔(پ:۲۶)

طالب ہدایت: ان کے پہلے تو سارے نبی آئے۔ تمام انبیاء میں ان کا کیا مقام ہے؟

''تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ''. ''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی نے اللہ سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا''۔(پ:۳:ع۱)

طالب ہدایت: ''سبحان اللہ'' کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

''وَلِکُلِّ نَبِیٍّ فِی الْاَنَامِ فَضِیْلَۃٌ وَجُمْلَتِھَا مَجْمُوْعَتُہٗ لِمُحَمَّدٍ''

جب ان کا درجہ بلند ہے تو اللہ نے انہیں بے شمار انعامات سے نوازا ہوگا۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ

''اے محبوب ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں''۔(پ:۳۰:ع۳۳)

طالب ہدایت: کیا آپ کو سورۂ یٰسین شریف کی وہ آیت یاد ہے جس میں رب کائنات نے صاف صاف لفظوں میں رسالت محمدی کی تصدیق کی ہے؟

"یٰسٓ" وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.

"حکومت والے قرآن کی قسم تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو"۔(پ:۲۲)

طالب ہدایت: لیکن اسکے باوجود بھی منکرین اپنی حرکتوں سے باز تو نہ آئے۔

"ذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ"

"اور مجھ پر چھوڑ وان جھٹلانے والوں کو"۔ (پ:۲۹:ع۱۳)

طالب ہدایت: کفاروں نے سرکار کائنات کو دیوانہ بھی تو کہا تھا۔

"نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ. مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ".

"قلم اوران کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں"۔(پ:۲۹:ع۳)

طالب ہدایت: حضور والا! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کفاروں نے اللہ کی کتاب کو ماننے سے انکار کردیا۔ اسکے گھر پر تین سو ساٹھ بتوں کے پہرے بٹھادیئے۔ اس کے پیارے نبی کی راہوں میں کانٹے بچھادیئے۔ اس کے نام لیواؤں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ آخران سرکشوں پر عذاب الٰہی کے پتھر کیوں نہیں برسے؟؟

"وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ"

"اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو"۔(پ:۹:ع۱۸)

طالب ہدایت: تو گویا محسن کائنات فخر موجودات حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سراپا رحمت ہے؟

"وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لئے"۔(پ:۱۷:ع۷)

طالب ہدایت: تب تو ہمیں اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ ہمیں ایسے رؤف ورحیم نبی کی امت میں پیدا کیا۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً"

"بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا"۔(پ:۴:ع۸)

طالب ہدایت: آنحضرت ﷺ نے تو کسی مدرسے میں، کسی استاد سے کچھ نہیں پڑھا پھر انہیں قرآن کس نے پڑھایا؟

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا"۔(پ:۲۷:ع۱۱)

طالب ہدایت: بہت خوب جسے اللہ نے پڑھایا ہو وہ کسی اور سے کیا پڑھے، جس کے سامنے لوح وقلم موجود ہوں وہ کاغذ قلم کو کیا کرے۔ خالق ارض وسماوات نے اپنے محبوب بے مثال کو معلم کائنات بنا کر بھیجا ہے وہ سارے جہاں کو علم وآگہی کی بھیک دیتے ہیں۔

"وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ"

"اورانہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں"۔(پ:۴:ع۸)

طالب ہدایت: سنتے ہیں نبی نے گالیاں کھا کے بھی دعائیں دیں!

"وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ"

"اور بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے"۔(پ:۲۹:ع۳)

طالب ہدایت: وہ ہم جیسے انسان تو نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

"قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ"

"بیشک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب"۔

"طالب ہدایت: حضرت یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ ہمارے حضور اللہ کے نور ہیں لٰہذا بندہ اور خدا کے بیچ جو تاریکیاں ہیں انہیں دور کرنے کیلئے حضورؐ کے نور کی ضرورت

ہے اگر اجازت ہو تو میں ایک اور بات پوچھوں؟ یہ کارخانہ عالم صرف انسان ہی کی ذات تک تو محدود نہیں۔ اس وسعت کائنات میں فلک کے رخ پر دمکتے ہوئے آفتاب وماہتاب بھی تو ہیں ملکہ شب کے ماتھے پر ستاروں کا جھومر بھی تو ہے کیا انہیں روشنی نہیں چاہیئے؟ آخر یہ چاند' یہ سورج' یہ ستارے اپنے من کا اندھیرا دور کرنے کیلئے کہاں جاتے ہیں؟ کیا کوئی ایسا چراغ بھی ہے جو ان چراغوں کو ضیاء بخشے؟

''وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا'' ''اور چمکا دینے والا آفتاب''۔ (پ:۲۲:ع:۳)

طالب ہدایت: یعنی آپ کو یہ کہنا مقصود ہے کہ اے کائنات نبوت کے آفتاب بے مثال شبنم ہو، کہکشا' ستارے ہوں' پھول ہوں جو شئے تمہارے سامنے آئی نکھر گئی بہر کیف میں سمجھتا ہوں نبی کو بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم ہوں گی جو ہم نہیں جانتے؟

'' اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا''.

''ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا''۔ (پ:۲۶:ع:۹)

طالب ہدایت: کیا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اتباع ضروری ہے؟

''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ''.

''اے محبوب! آپ فرمادیں کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ''۔ (پ:۳:ع:۱۲)

طالب ہدایت: بالفاظ دیگر! خدا کی قربت چاہتے ہو تو خدا کے حبیب کو اپنا محبوب بنالو۔ اپنے احساس کی فضاؤں میں ان کی محبت کا رنگ بھر دو۔ اپنی مرضی کو ان کی رضا کے مطابق ڈھال دو' تمہاری زندگی رنگ ونور کے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ تم ان کے بن جاؤ ساری کائنات تمہاری بن جائے گی۔ یہ لو ایک انمول شئے لایا ہوں تمہارے لئے۔ یہ درد کی دولت ہے سمیٹ لو اسے۔

اے فضائے اسلام میں ایمان ویقین کی سانس لینے والے مسلمانو! تم سن رہے ہو نا تمہارا مقصد حیات تمہیں آواز دے رہا ہے۔ آؤ آؤ اتباع رسول کے اس ساگر میں ڈوب جائیں تاکہ اس محشر آب وگل کا ہر ذرہ ہماری یاد میں ڈوب جائے عشق حبیب کی اس نگری میں کھو جائیں' گم ہو جائیں تاکہ اس نیلگوں آسمان کی بیکراں وسعتوں میں بسنے والے مہر وماہ وانجم ہماری جستجو میں زمین پر اتر آئیں۔ رحمت رب کائنات ہماری تلاش میں نکل پڑے۔ سچ ہے نا مزے کی بات! تو پھر کیوں نہ ہم اپنی ہر سانس کو ان کی اطاعت کی خوشبو دے دیں۔

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ''

''ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔ (پ:۵:ع:۶)

طالب ہدایت: جناب والا! آپ کی باتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ خدا اپنے رسول کو بہت ہی بااختیار بنا کر بھیجا ہے اگر زحمت نہ ہو تو اس سلسلہ میں کوئی اور آیت عنایت فرمائیں۔

''وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' ''جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ''۔ (پ:۲۸:ع:۴)

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ''

''اے میرے رسول میرے رب کی قسم یہ مومن ہو نہیں سکتے جب تک اپنے تمام معاملات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں''۔ (پ:۵:ع:۶)

طالب ہدایت: کیا نبی کو چاہنے سے کچھ ہو سکتا ہے؟

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''.

''(اے محبوب) ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں آپ کی خوشی اور مرضی ہے۔ پس اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر لو''۔ (پ:۲:ع۱)

طالب ہدایت: جی ہاں آپکے یاد دلانے سے مجھے بھی یاد آیا۔ اس سے پہلے سب کا قبلہ بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی لیکن آپ کی خواہش تھی کہ میرا قبلہ کعبہ شریف ہو جائے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کی خواہش پر قبلہ بدل دیا۔ سبحان اللہ!

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

اچھا حضرت اب اجازت چاہوں گا۔ آپ نے بڑی ذرہ ذرہ نوازی فرمائی جو مجھے شرف زیارت سے نوازا۔ سچ جانئے میں جب جب آپ سے ملا ہوں میرے دل کی دنیا میں ایمان ویقین کے آفتاب ہائے تازہ روشن ہوئے ہیں۔

میرے لئے کوئی حکم:

مشعل ہدایت: ''صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً''

''ان پر درود وسلام خوب بھیجو''۔ (پ:۲۲:ع۴)

☆☆☆

بحمد اللہ تعالیٰ

''اہلِ معرفت کی راہیں''

اختتام کو پہونچی!

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ!

خادم

آستانہ حضرت حبیب الامت حفظہ اللہ

زبیر احمد مفتاحی قاسمی پورنوی

مقیم حال

خانقاہِ رحیمی دار العلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

مورخہ: ۱۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

مطابق ۱۴/جنوری ۲۰۱۴ء

بروز منگل

☆☆☆